

عقيدة توحيد

فضيلة الشيخ صالح بن سعد السحيبي حفظه الله

ترجمه

عبد الخالق بن محمد عزيز

انتباہ

© حقوق محفوظ اصلی اہل سنت ڈاٹ کام ۲۰۱۰

www.AsliAhleSunnat.com

اہم نوٹ

کتاب ہذا ایک آن لائن کتاب ہے جو ویب سائٹ اصلی اہل سنت ڈاٹ کام کے لئے شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ پر رکھنے کے لئے مرتب کیا گیا تاکہ اس کی با آسانی نشر و اشاعت ہو سکے۔ فی الوقت ہمارے علم کے مطابق اس سے پہلے یہ انٹرنیٹ کے لئے کمپیوٹر کمپوزنگ کہیں اور موجود نہیں۔ چونکہ اس کتاب کو مفت آن لائن تقسیم کے لئے جاری کیا جا رہا ہے لہذا اس کی ذاتی یا تبلیغی مقاصد کے لئے پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذریعہ سے محض اس کے مندرجات نشر کرنے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے لیکن اسے منافع کمانے کے لئے چھاپنے (پبلش) کرنے کی اجازت نہیں الا یہ کہ اصل پبلیشرز سے پیشگی اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت دے دی جائے۔





نام کتاب	:	عقیدہ توحید
مؤلف	:	فضیلۃ الشیخ صالح بن سعد السحیمی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
ترجمہ	:	عبدالحق بن محمد عزیر
صفحات	:	۱۳۴
ناشر	:	اصلی اہل سنت ڈاٹ کام

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	عرض ناشر	۶
	عرض مترجم	۷
	مقدمہ از مؤلف	۹
	جنوں اور انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت	۱۱
	عمل کے قبول ہونے کی شرطیں	۱۳
	توحید اور اس کی قسمیں	۲۴
	توحید ربوبیت	۲۴
	توحید الوہیت و عبادت	۲۷
	توحید اسماء و صفات	۳۱
	اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں گمراہ ہونے والوں کی گمراہی کا سبب	۳۶
	شرک اور اس کی قسمیں	۳۸
	شرک اکبر	۳۹
	شرک اصغر	۴۰
	اس باب کی اہمیت	۴۳

۴۷	دنیا میں شرک کے واقع ہونے کا سبب	
۴۹	عبادت اور اس کی اقسام	
۴۹	دعاء	
۵۲	استغاثہ	
۵۴	نذر	
۵۵	ذبح اور نحر	
۵۷	تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا بیان	
۶۴	وسیلہ	
۶۹	شرعی وسیلہ	
۶۹	اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ذریعے اس کی طرف وسیلہ تلاش کرنا	
۷۲	نیک اعمال سے اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا	
۷۵	نیک آدمی کی دعاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا	
۷۹	بدعتیانہ وسیلہ	
۷۹	وسیلہ کے بارے میں شبہات اور ان کا رد	
۹۳	قبروں کی زیارت کا حکم	

۱۰۲	زندہ انسان کے عمل سے میت کو فائدہ پہنچنے کا حکم	
۱۰۳	پہلی صورت کی دلیل	
۱۰۳	دوسری صورت کی دلیل	
۱۰۵	میت کو روزے کا ثواب پہنچنے کی دلیل	
۱۰۵	میت کو حج کا ثواب پہنچنے کی دلیل	
۱۱۰	نبوت اور رسالت	
۱۱۳	لفظ طاعت کی وضاحت	
۱۱۵	کیا اللہ تعالیٰ کے رسول غیب جانتے ہیں؟	
۱۲۳	چار مسائل جن کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے	
۱۲۶	اسلام، ایمان اور احسان	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ رسالہ ”عقیدہ توحید“ جو کہ ڈاکٹر صالح بن سعد سحیمی حفظہ اللہ کا تالیف کردہ ہے، جسے ہمارے فاضل دوست عبدالحق بن محمد عزیر نے اردو قالب میں ڈھالا، آپ کے پیش خدمت ہے۔ مرکز الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ وہ اس رسالہ کو شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس رسالے کا فائدہ امت مسلمہ کے لئے عام کر دے اور ہمارے اس عمل کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دے اور ہمیں دین حنیف کی خدمت کرنے کا اور زیادہ موقع عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

کامران خالد محمد پالوالا اثری

۲۲ رمضان ۱۴۲۰ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض مترجم

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده وبعد

برادران ملت یہ کتاب جو عقیدہ توحید پر مشتمل ہے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اصل میں یہ کتاب عربی میں ڈاکٹر صالح بن سعد سحیمی حفظہ اللہ نے تالیف فرمائی ہے، جب بندہ ناچیز کے ہاتھ یہ کتاب لگی اور اس کے توحید سے لبالب بھرے ہوئے مضامین زیر مطالعہ آئے جن کو قرآن و سنت کی ادلہ سے واضح اور روشن کیا گیا ہے تو معاشرے کی بے راہ روی دیکھ کر میں نے سوچا کہ اس مفید کتاب کا اگر اردو میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ جس طرح عربی جاننے والے اپنے عقائد درست کر لیتے ہیں اسی طرح اردو جاننے والے بھی اپنے عقائد کو قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھال لیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں کیوں کہ عوام کی اکثریت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کا پتہ نہیں ہے، اور قرآن و سنت سے ان کا کوئی لگاؤ اور دلچسپی نہیں ہے۔

یہاں پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث کیا ہے؟ قرآن و حدیث اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسول ﷺ کے فرماؤں کا نام ہے۔ لیکن عوام کی اکثریت قرآن و حدیث سے وابستہ نہیں ہے اور رسم و رواج کے پیچھے پڑی ہوئی ہے اور اسی پر عمل کرتی ہے اسی پر بس نہیں بلکہ لوگ کھلم کھلا شرک کی نجاستوں

میں لت پت ہیں۔ مثلاً غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور کئی اقسام کی خرافات میں پڑے ہوئے ہیں اور اصل دین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ اور رسم و رواج جلدی اپنالیتے ہیں ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس چھوٹی سی کتاب کو لفظی ترجمہ کے ساتھ اردو میں منتقل کر دیا ہے، جو کچھ اصل کتاب میں تھا بعینہ اسی کو اردو میں نقل کر دیا، اور چند مواضع میں میں نے اپنی طرف سے جس کی میں نے ضرورت محسوس کی اور وہ اصل کتاب میں نہ تھا اضافہ کیا ہے اور وہاں پر میں نے اضافہ کی نشان دہی بھی کی ہے۔

اس کتاب کا اصل مسودہ میں نے اپنے محسن بھائی ابو الحارث کامران حسین پالوالا ثری حفظہ اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ اس نیک کام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی سربلندی کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کتاب کی طباعت اور نشر کی ذمہ داری قبول کی۔ اللہ تعالیٰ میرے اس محسن بھائی کو جزاء خیر عطا فرمائے اور اس کو دنیا و آخرت میں سرخ و رو کرے اور ہماری اس محنت کو اپنی رضا کے ساتھ خاص کر دے اور ہم سب کو اپنے دین کی سربلندی کے لئے چن لے۔

وصلی اللہ علی النبی الامی الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وسلم

عبدالحق بن محمد عزیر

۱۴۱۸/۱۱/۱۰ھ

بمطابق ۱۹۹۸/۳/۱۰ء

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمۃ المؤلف

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب إليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعباننا، من يهده الله فلا مضله له ومن يضل فلا هادي له وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وسلم وعلى آله وصحبه أجمعين۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

ترجمہ: (اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو مگر مسلمان ہو کر)

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

(النساء: ۱)

ترجمہ: (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد و زن پھیلانے اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے جس کے واسطے

سے تم سوال کرتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بچو بے شک اللہ تعالیٰ
تم پر نگہبان ہے)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ
لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِغِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ
فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب: ۷۱، ۷۰)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کہو، تو اللہ
تعالیٰ تمہارے واسطے تمہارے کام سنوار دے گا اور تم کو تمہارے گناہ
بخش دے گا، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر چلا تو اس نے
بڑی مراد پائی)

امام بعد فان اصدق الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي
محمد ﷺ وشرا الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل
بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار

پس یہ عقیدے کے متعلق ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس قدر سببی دورے کے
طلبہ کے لئے جس کو جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) چند اسلامی ممالک میں قائم
منعقد کرتا ہے۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کے
ذریعہ (لوگوں کو) نفع دے اور اس کو خالص اپنی رضا کے لئے کر دے۔

میرے عزیز بھائی اس موضوع کے خاص خاص اہم مضامین آپ کے پیش
خدمت ہیں۔
ڈاکٹر صالح سعد سحیمی

۱: جنوں اور انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت

امت مسلمہ کے لوگو! جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی حکمت کی بنا پر پیدا کیا ہے جس کو وہی جانتا ہے، اور اس کا ارادہ کرتا ہے۔ مسلمان سے تو یقین کرنے اور اسے مان لینے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اب برابر ہے کہ انسان اس حکمت کو جانے یا نہ جانے اگر اس نے اس حکمت کو جان لیا تو یہ نور علی نور ہے اور اگر اس نے اس کو نہیں جانا تو اس پر لازم ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن جائے، اس لئے کہ عقل بشری ہر حکمت کے جاننے سے عاجز ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان اوامر پر عمل کرتے اور نواہی سے بچتے تھے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی میں آتا ہے۔ بغیر اس کی حکمت کے متعلق سوال کئے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے زیادہ کوئی چیز دلالت نہیں کرتی، جس وقت وہ حجر اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دینے لگے تو انہوں نے فرمایا:

﴿إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْ لَا أَنِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ

ﷺ يَقْبَلُكَ مَا قَبِلْتُكَ﴾

(بخاری و مسلم ۱۸۰/۲ مسلم ۶۷/۳)

ترجمہ: (بے شک میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نقصان دیتا ہے نہ نفع۔

اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تیرا بوسہ

نہ لیتا)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو بہت بڑی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ حکمت یہ ہے کہ اکیلے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرنا اس کے سوا اوروں کی عبادت سے بچنا، جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

ترجمہ: (میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں)

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البینہ: ۵)

ترجمہ: (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص رکھیں) (ابراہیم حنیف کے دین پر) نماز قائم رکھیں، زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یہی دین درست اور مضبوط ہے)

اس توحید والے مسئلہ کے متعلق قرآن کریم کی بہت سی آیات وارد ہیں، جن کا اس مقام میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مذکورہ بالا آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرنا واجب ہے جو شخص اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اوروں کو بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو وہ مشرک اور کافر ہے۔ دائرہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اگر وہ کوئی بھی عمل کرے

تو وہ عند اللہ قابل قبول نہیں ہے، بلکہ وہ عمل اس کے منہ پر دے مارا جائے گا اس لئے کہ اس نے توحید کی شرط کو پورا نہیں کیا، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنشُورًا﴾

(الفراقان: ۲۳)

ترجمہ: (انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں اڑے ہوئے ذروں کی طرح کر دیا)

نبی کریم ﷺ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلًا شَرَكًا فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكَتُهُ وَشَرَكُهُ﴾

(رواہ مسلم کتاب الزہد ۲۶، ج ۲، ص ۲۸۹)

ترجمہ: (جس نے کوئی عمل کیا اور اس عمل میں میرے ساتھ اس نے کسی دوسرے کو شریک کیا تو میں اس عمل کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دوں گا)

۲: عمل کے قبول ہونے کی شرطیں

یہ بات معلوم ہے کہ تمام عبادتیں توقیفی ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو شریعت کے ذریعہ ہی پہچانا جاتا ہے۔ کسی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے بلکہ اس طریقے کے مطابق کرے جس کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً عبادت میں ضروری ہے کہ وہ

عمل خالص اکیلے اللہ کے لئے ہو، یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی بھی عمل جس سے ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اس کے صحیح ہونے کے لئے دو بنیادی شرطوں کا ہونا ضروری ہے اور ان دونوں شرطوں کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے۔ ایک شرط دوسری سے جدا اور علیحدہ نہ ہو۔

پہلی شرط:

اکیلے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے عبادت کو خالص کرنا۔

دوسری شرط:

رسول اللہ ﷺ کی ہی متابعت کرنا۔

ان دونوں شرطوں کو سورۃ الکہف کی اس آیت نے جمع کیا ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ

بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۱۱۰)

ترجمہ: (جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ

وہ نیک عمل (سنت کے مطابق) کرے اور اپنے رب کی عبادت میں

کسی کو شریک نہ کرے)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عمل سنت کے مطابق ہو پھر حکم دیا ہے کہ عمل کرنے والا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرے اور اس عمل کے ذریعہ اس کے سوا کسی کا قرب تلاش نہ کرے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے: قبول ہونے والے عمل کے دور کن ہے۔

(۱) عمل کا خالص اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہونا۔

(۲) اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح کی روایت قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

شرط اول:

کا معنی یعنی اخلاص، وہ یہ کہ عمل کرنے والا اپنے عمل سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کرے جو ریاکاری اور شہرت سے دور ہو وہ اپنے اس عمل سے کسی سے بدلہ اور شکرانہ تلاش نہ کرے اس سلسلہ میں قرآن و حدیث کی نصوص کثرت سے وارد ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ﴾ (الزمر: ۲)

ترجمہ: (پس تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر اس کے لئے عبادت کو خالص

کرتے ہوئے)

﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ

الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (النقص: ۷۷)

ترجمہ: (اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصہ کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی سلوک کرتا رہے)

نبی ﷺ نے فرمایا، جو کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّا أَغْنَى الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا

مَعَى فِيهِ

غیری ترکتہ و شراکہ﴾ (مسلم کتاب الزہد ج ۲، ص ۲۸۹)

ترجمہ: (میں تمام شرکاء کے شرک سے مستغنی ہوں جس نے کوئی عمل کیا اور میرے ساتھ اس میں میرے غیر کو شریک کیا تو میں اس کا عمل اور اس کا شرک چھوڑ دوں گا)

یعنی میں اپنی عبادات مالیہ، قولیہ اور بدنیہ میں پارٹنر شپ (شرکت) کو گوارہ نہیں کرتا، جو کوئی عبادت گزار میری عبادات میں دوسروں کو حصہ دار بنائے میں اس کی اپنے حصہ والی عبادت بھی قبول نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس وقت اخلاص اور انسان کا اپنے عمل سے دنیا کا ارادہ کرنے کے ساتھ ساتھ ممکن نہیں ہوتا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿انما الاعمال بالنیات، وانما لكل امرئ ما نوى فمن كانت
هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله ومن كانت هجرته
للدنيا يصيبها او امرأة يتزوجها فهجرته الى ما هاجر اليه﴾
(بخاری ج ۱، ص ۹، مسلم ۱۰/۳)

ترجمہ: (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ہر آدمی کے لئے وہی ہوگا جس کی
اس نے نیت کی پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف
ہجرت کی تو اس کی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت ہوگی جس نے
دنیا کے لئے ہجرت کی تو وہ اس کو پائے گا کسی عورت کی طرف ہجرت
کی کہ وہ اس سے نکاح کرے گا اس کی ہجرت اس کی طرف ہوگی جس کی
طرف اس نے ہجرت کی)

دوسری شرط:

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عمل جس کے ذریعہ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب
حاصل کرتے ہیں اس دستور اور آئین کے مطابق ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن
کریم میں یا نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت میں بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک
و تعالیٰ نے ہمارے اسلامی دین کو نبی کریم ﷺ کے رفیق اعلیٰ کی طرف سے
منتقل ہونے سے پہلے پہلے کامل و مکمل کر دیا ہے۔ اب اس دین محمدی میں کسی کمی و
زیادتی کرنے والے کی حاجت نہیں ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (البائد: ۳)

ترجمہ: (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور میں نے اپنی

نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا)

ایسی بہت سی آیات قرآنیہ وارد ہوئی ہیں جو اتباع سنت کا حکم دیتی ہیں اور دین

حنیف میں نئی باتیں اور بدعتیں ایجاد کرنے سے تنبیہ اور منع کرتی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ

وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: (یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔

ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے

اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہو)

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَاتَّقُوا﴾ (الحشر: ۷)

ترجمہ: (جو رسول ﷺ تم کو دے اس کو لے لو اور جس سے روکے

اس سے باز آ جاؤ)

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: (کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)

اس سلسلہ میں احادیث رسول ﷺ بھی کثرت سے وارد ہوئی ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى
عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فان كل محدثة
بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار﴾

(ترمذی ج ۴، ص ۱۴۹، سنن ابن ماجہ، ۱/۱۶)

ترجمہ: (تم پر میری سنت اور میرے (بعد) خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور نئی بدعتیں ایجاد کرنے سے بچ جاؤ اس لئے کہ (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے کا سبب بنتی) ہے)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ترکت فيکم امرین لن تضلوا بعدی ما تمسکتُم بهما کتاب

اللہ وسنتی﴾ (البوطا ۲/۸۹۹، ابوداؤد ۱/۴۴۲، ابن ماجہ ۲/۱۰۲۵)

ترجمہ: (میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو ہر گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ ہے اور دوسری میری سنت ہے)

(نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم اور اپنی سنت چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں پر عمل کرتے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے، یہ حدیث مبارک منکرین حدیث کے منہ پر طمانچہ مار رہی ہے اور ان کے فاسد عقیدے کا رد کر رہی ہے۔ قبھم اللہ تعالیٰ۔ مترجم)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿من أحدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فہو رد﴾

(بخاری ۳/۲۴۱، مسلم ۵/۱۳۲)

ترجمہ: (جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز گھڑی جو اس سے نہیں تو وہ رد ہے) (اسی کے منہ پر دے ماری جائے گی))

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ما بعث اللہ من نبی الا کان حقاً علیہ ان یدل امتہ علی خیر

ما یعلیہ لہم وینذرہم شر ما یعلیہ لہم﴾

(مسلم امارۃ ۳۶۶، ج ۳/۱۲۷۲)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اس پر واجب تھا کہ وہ اپنی دانست کے مطابق اپنی امت کو بھلائی بتائے اور اس کو اپنی دانست کے مطابق شر سے ڈرائے)

اللہ تعالیٰ نے جس کسی نبی کو مبعوث فرمایا اس پر فرض تھا کہ وہ اپنی امت کو اس خیر سے آگاہ کرے جسے وہ ان کے لئے بتانا ضروری خیال کرتا ہے اور ان کے شر سے ڈرائے جسے وہ ان کے لئے مہلک سمجھتا ہے۔

یہ تمام نصوص رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں جو نسا عمل رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کے بغیر ہو اس کی کوئی قبولیت نہیں ہے۔ بہت سے مسلمانوں نے نئی نئی چیزیں گھڑ رکھی ہیں جن کو یہ دین سمجھتے ہیں حالانکہ دین سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے جن کو یہ لوگ اچھا سمجھتے ہیں اور خیال (فاسد) کرتے ہیں کہ یہ ان کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں گی۔ حالانکہ انہوں نے قرآن کریم اور حدیث نبوی کو اپنی پٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا ہے گویا کہ یہ لوگ قرآن و حدیث کو سنتے ہی نہیں ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے) ان بدعات کی مثالوں میں سے وہ گھڑی ہوئی دعائیں اور اذکار اور کلمات وغیرہ ہیں جن کو ہر نماز کے بعد یا کسی خاص وقت میں گانے کی طرح سُریر لگا لگا کر گاتے ہیں اور انہوں نے ہر نماز کے بعد ان اذکار اور دعاؤں کو چھوڑ دیا ہے جنہیں رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تمام اوقات میں پڑھی جانے والی دعاؤں اور اذکار کی تعلیم دی ہے۔ پس مسلمانوں کو معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت اور گھر کی طرف واپس آتے وقت کیا کیا پڑھیں گے، اور سوتے وقت اور جاگتے وقت کیا پڑھیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ (بخاری ج ۱۱، ص ۱۰۱)

اللہ تبارک و تعالیٰ اولوالالباب کا عمل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

ترجمہ: (جو لوگ اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور پہلوؤں کے بل یاد کرتے ہیں اور آسمانوں کی پیدائش میں سوچتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ باطل نہیں بنایا تو پاک ہے پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا)

قرآن کریم کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ یہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کو تمام حالتوں میں یاد کرتے ہیں۔

ان بدعتوں میں سے مخصوص دنوں اور وقتوں میں عیدیں اور میلے منانا بھی ہیں، سوائے ان اسلامی عیدوں کے جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشروع کیا ہے، اور وہ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعہ ہے۔ اب ان کے علاوہ جو بھی عید ہوگی وہ جاہلیت کی عید ہوگی (اگرچہ عید میلاد النبی ہی کیوں نہ ہو) اور ان میں نئی نئی عبادتیں گھڑی گئی ہیں۔ سب مردود ہیں (ان کے ایجاد کرنے والوں کے منہ پر

دے ماری جائیں گی) کیوں کہ یہ بدعتیں ہیں اور ان کے علاوہ جو اعمال دین میں نئے ایجاد کئے گئے ہیں مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وہ ان کو چھوڑ دیں اور جن اعمال کا ثبوت قرآن و حدیث میں ملتا ہے اسی پر اکتفا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنا کہ کچھ لوگ روزانہ مغرب کی نماز کے بعد جمع ہوتے ہیں اور اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ کو بیک آواز بار بار دہراتے ہیں۔ تو سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان لوگوں پر نکیر فرمائی اور فرمایا اللہ کی قسم تم لوگ ظلماً بدعت لائے ہو اور تم علم کے اعتبار سے اپنے نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے فضیلت لے جانا چاہتے ہو۔
(دارمی، ابو نعیم)

اب سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لا الہ الا اللہ یا سبحان اللہ کہنے پر نکیر نہیں فرمائی اس لئے یہ تو ذکر ہے بلکہ انہوں نے اس ہیئت پر جس کے ذریعہ ذکر کر رہے تھے نکیر فرمائی ہے۔ اس لئے کہ اس حالت میں جمع ہو کر ذکر کرنا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم، جنہوں نے آپ سے روایت کیا اور آپ ﷺ سے اذکار کو سیکھا اور آپ ﷺ سے سنا، کے نزدیک مشروع نہیں ہے۔

(بعض جاہل مولوی اور لوگ فجر کی نماز کے بعد لا الہ الا اللہ کا بیک آواز ورد کرتے ہیں یہ بھی اسی زمرے میں ہے جس پر صحابی رسول نے نکیر فرمائی۔ یہ

بدعت ان کو جہنم میں لے جانے کا سبب بنے گی، الا یہ کہ وہ اس فتنہ حرکت سے توبہ کر لیں اور سنت کے مطابق ذکر کریں۔ مترجم)

۳: توحید اور اس کی قسمیں

توحید کا لغوی معنی ہے علیحدہ کرنا اور شرعاً اللہ تبارک و تعالیٰ کو عبادت کے ساتھ علیحدہ کرنا کہ انسان اکیلے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

توحید کی تین قسمیں ہیں:

۱: توحید الربوبیۃ

۲: توحید الالہیۃ والعبادۃ

۳: توحید الاسماء والصفات

(۱) توحید الربوبیۃ:

اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس کے افعال کے ساتھ اکیلا جانے جیسا کہ پیدا کرنا، رزق عطا کرنا، زندہ کرنا، مارنا، مالک ہونا، تدبیر کرنا وغیرہ مطلب یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے کہ اکیلا اللہ سبحانہ و تعالیٰ خالق، رازق، مالک، متصرف اور ہر چیز کا مدبر ہے۔ اور اس کے فیصلے کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ربوبیت پر بہت دلیلیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف: ۱۵۴)

ترجمہ: (بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ چھپا دیتا ہے رات سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ رات اس دن کو جلدی سے لے آتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو! اللہ ہی کیلئے خاص ہے خالق اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کا بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کا پروردگار ہے)

توحید کی اس قسم کا پہلے مشرکوں نے بھی اقرار کیا تھا لیکن اس اقرار نے ان کو اسلام میں داخل نہیں کیا، کیوں کہ انہوں نے اس توحید کے لازم کا اقرار نہیں کیا اور وہ توحید الوہیت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ (الزخرف: ۹)

ترجمہ: (اور اگر آپ ان (کفار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے ان کو غالب جاننے والے نے پیدا کیا)

﴿وَلَمَّا سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَلَّى يُؤْفَكُونَ﴾

(الزخرف: ۸۷)

ترجمہ: (اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو پھر کہاں الٹے جاتے ہیں)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ربوبیت پر دلائل بہت سے ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا دلائل عقلی ہوں یا نقلی۔ پس مخلوق خالق کے وجود پر دلیل ہے اور ہر بنی ہوئی چیز کے بنانے والے کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ ذوالجلال نے فرمایا:

﴿أَمْرٌ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾

(الطور: ۳۵)

ترجمہ: (کیا یہ بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا خود پیدا کرنے والے ہیں)

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ﴾

(الذاریات: ۲۰، ۲۱)

ترجمہ: (یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں ہو اور تمہاری روزی اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے سب آسمانوں میں ہے)

اس کے علاوہ بھی بہت سی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قرآن کریم کی آیات دلالت

کرتی ہیں۔

﴿وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ - تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ﴾
 ہر چیز میں نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے

(۲) توحید الالہیۃ والعبادۃ:

اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کو اکیلا کرے بندے کے ان افعال کے ساتھ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، نذر، فریاد رسی وغیرہ۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ ان تمام عبادات کی قسموں کو ایک اللہ رب العزت کے لئے خاص کرنا ہے۔ اب اللہ تبارک و تعالیٰ کے علاوہ کسی کو پکارا نہیں جائے گا نہ کسی مقرب فرشتے کو اور نہ کسی نبی مرسل کو، پس جس نے ان عبادات میں سے کسی بھی عبادت کو غیر اللہ کے لئے خاص کر دیا تو وہ مشرک اور کافر دائرہ اسلام سے خارج ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُفْرِطُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۲﴾﴾ (الانعام: ۱۶۲-۱۶۳)
 ترجمہ: (آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے، اور میں پہلا مسلمان ہوں)

﴿وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ (المؤمنون: ۱۱۷)
 ترجمہ: (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں پس اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بے شک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں)

توحید الوہیت میں ہی تو رسولوں اور پہلی امت کے مشرکوں کا جھگڑا ہوتا رہا اس لئے کہ پہلے مشرکین اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق اور مدبر ہونے کا اقرار کرتے رہے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں دوسرے معبودان باطلہ کو شریک کرتے رہے اور وہ یہ خیال فاسد کرتے تھے کہ جن کی ہم عبادت کرتے ہیں یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہی کے قول کو نقل کیا ہے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ (الزمر: ۳)

ترجمہ: (اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بزرگ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں)

اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کو توحید خالص کی طرف دعوت دینے کے لئے بھیجا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

فَاعْبُدُونِ﴾ (الانبیاء: ۲۵)

ترجمہ: (تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف بھی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس تم میری ہی عبادت کرو)

جب ہم جائزہ لیتے ہیں پہلے مشرکوں کا اور ہمارے موجودہ زمانے کے مشرکوں کا تو ہم آج کے مشرکوں کو بنسبت پہلے زمانہ کے مشرکوں سے زیادہ سخت کفر و شرک میں پاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ اول کے مشرکین تو حالت رخاء میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے، مگر وہ مصیبت اور پریشانی کے وقت خالص اللہ تبارک و تعالیٰ کو پکارتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لیتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ

إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنکبوت: ۲۵)

ترجمہ: (یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ ہی کو پکارتے ہیں اسی کے لئے عبادت کو خالص کر کے پھر جب وہ ان کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں)

اب رہ گئے آج کے مشرک تو یہ ہر حالت میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں، چاہے امن و سکون کی حالت ہو یا تنگی اور مصیبت کی حالت ہو، آپ ان میں سے کسی کو

بت کے سامنے یا کسی کو قبر کے سامنے پائیں گے، اور اس قبر والے سے مصیبتوں اور پریشانیوں کے دور کرنے کی فریاد رسی کر رہا ہوگا، اور اس سے مدد یا اولاد مانگ رہا ہوگا، اور جانور ذبح کرنے کی منیتیں مان رہا ہوگا۔ جیسا کہ قبر پرستوں کا حال ہوتا ہے بس ان کا کام صرف قبروں پر چلاکشی کرنا اور بڑے بڑے مزاروں کا طواف کرنا اور قبر والوں سے اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کی امیدیں کرنا ہے۔ اسی وجہ سے جن کے ذہنوں میں خناسیت بھری ہوئی ہوتی ہے کہتے ہیں جو معاملات اور دنیاوی کام آپ کو پریشان اور عاجز کر دیں تو ان قبر والوں کے پاس جا کر فریاد رسی کرو اور ان سے مدد مانگو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ

الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ (الحقاف: ۵)

ترجمہ: (اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہ کر سکیں بلکہ وہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہوں)

﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ﴾

(الحقاف: ۶)

ترجمہ: (اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کر جائیں گے)

یہ لوگ قبروں میں مرے ہوئے ہیں اپنے لئے کسی چیز کے مالک نہیں ہیں،
 چہ جائے کہ یہ دوسروں کے مالک ہوں؟ جیسا کہ کہا جاتا ہے چیز کو گم کرنے والا
 دوسرے کو کچھ نہیں دے گا۔ پس جب وہ اپنے لئے کسی نفع و نقصان کے مالک
 نہیں ہیں تو وہ دوسروں کے لئے بطریق اولیٰ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہوں
 گے۔ بلکہ نفع و نقصان کا مالک سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ يَسْأَلُكَ اللَّهُ بَعْضُ فَعَلٍ كَاشَفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَسْأَلُكَ بِخَبِيرٍ
 فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الانعام: ۱۷)

ترجمہ: (اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس کو دور کرنے
 والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچا دے تو
 وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)

(۳) اسماء اور صفات کی توحید

اسماء اور صفات کی توحید یہ ہے کہ آدمی اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء اور صفات
 پر اس طرح ایمان لائے جس طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں وارد
 ہے، اور وہ ان اسماء اور صفات میں تحریف نہ کرے اور نہ الفاظ بلا معنی سمجھے اور نہ
 کیفیت بیان کرے اور نہ تاویل کرے اور نہ کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے اور نہ
 ہی مثال بیان کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

ترجمہ: (اس کی طرح کوئی چیز نہیں وہ سنتا اور دیکھتا ہے)

پس مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح صفت بیان کرے جس طرح اس نے اپنی ذات کی صفت بیان کی ہے یا اس کے رسول اللہ ﷺ نے بیان کی ہے، بغیر کسی زیادتی اور نقصان کے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اس کے اسماء اور صفات میں الحاد کے مختلف اشکال میں سے کسی بھی شکل کے مرتکب ہو رہے ہیں، سخت وعید سنائی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي

أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: (اور اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کرو اور اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیئے کی ضرور سزا ملے گی)

جس نے اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں سے کسی کا انکار کر دیا تو وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِيَتَنَلَّوْا عَلَيْهِمُ
الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ﴾ (الرعد: ۳۰)

ترجمہ: (اور یہ اللہ رحمان کے منکر ہیں تو کہہ دے کہ میرا پالنے والا تو وہی
ہے اس کے سوا اور درحقیقت کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور اس کے
اوپر میرا بھروسہ ہے اور اس کی جانب میرا رجوع ہے)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے صفات کمال میں سے جس کو ثابت
کیا ہے اہل سنت والجماعت اسی کو ثابت کرتے ہیں اور اس سے تمام صفات نقص کی
نفی کرتے ہیں اور اثبات اور نفی کرنے میں قرآن و سنت پر اعتماد کرتے ہیں مثلاً
جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵)
ترجمہ: ((کہ) رحمن عرش پر قائم ہوا)

تو یہ کہتے ہیں کہ استواء سے وہی مراد ہے جو اس کی شان و عظمت کے لائق
ہے اور اہل حق: اہل تاویل کی طرح استواء کی تفسیر غلبہ کے ساتھ نہیں کرتے کہ
یہاں غلبہ کرنے کے معنی میں ہے۔ بلکہ وہ اس صفت کو ثابت کرتے ہیں اور اس
صفت پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اس لئے کہ استواء کی تفسیر

استیلاء اور قہر سے کرنا گویا کہ بغیر دلیل کے کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹانا اور لفظ کو اپنے ظاہر سے پھیرنا ہے جو کہ صریح گمراہی ہے۔
اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿بَلْ يَدْعَاكَ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (البائدہ: ۲۳)

ترجمہ: (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں)

اس میں اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ کو ثابت کرتے ہیں جو اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے، اور فرقہ جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ کی طرح ہاتھ کی تاویل قدرت اور نعمت کے معنی میں نہیں کرتے۔
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر: ۲۲)

ترجمہ: (اور آپ کا رب آئے گا اور فرشتے قطار در قطار آئیں گے)

اب اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا آنا اسی طرح مراد ہے جو اس کی عظمت اور شان کے لائق ہے اور وہ اس میں کسی طرح کی تاویل اور تحریف نہیں کرتے۔ ہم اہل سنت والجماعت کو اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اور صفات جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اسی منہج اور راستہ پر چلتا ہوا پاتے ہیں اور یہ لوگ فرقہ معطلہ جہمیہ و معتزلہ اور فرقہ مشبہ کے درمیان معتدل ہیں۔ فرقہ مشبہ اللہ تعالیٰ کو صفات میں اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں، اور یہ لوگ تاویل اور تعطیل کی

وجہ سے ہلاکت میں پڑ گئے۔ کیوں کہ انہوں نے ماسوائے مخلوق کی صفات کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی صفات کو سمجھا ہی نہیں جب ان گمراہوں نے تشبیہ سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اور اس سے خلاصی حاصل کرتے ہوئے تاویل اور تعطیل کی طرف پناہ لی، اب ان کی مثال ایسے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے تپتی دھوپ میں بھاگ کر آگ سے پناہ ڈھونڈنے لگا۔ چنانچہ وہ جس سے بھاگے ہیں اس سے بھی بدتر راہ میں پڑ گئے۔

پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر ایمان لائیں اور ان کو اس نہج پر ثابت کریں جو اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔

ایک بدعتی نے امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استواء کی کیفیت کے متعلق سوال کیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے کتنا اچھا جواب دیا، فرمایا: استواء معلوم ہے (کیوں کہ قرآن کریم میں الرحمن علی العرش استوی آیا ہے) اور کیفیت مجہول ہے (کیوں کہ اس کیفیت کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم کو خبر نہیں دی) اور اس کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔

اس کے بعد امام مالک رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ اس بدعتی کو مجلس سے نکال دیا جائے۔

(بدعت کی تبلیغ کرنے والوں پر پابندی ہے کہ وہ تبعین سنت کی مجالس میں نہ آیا کریں مگر یہ کہ کوئی راہ راست پر آنا چاہتا ہے اور بدعت سے توبہ کرتا ہے تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے: مترجم)

امام مالک رحمہ اللہ کا مقولہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں جاری ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا قاعدہ ہے اور مناسب ہے کہ انسان اس سے آگاہ رہے اس کو حاصل کرے اور قاعدہ پر چلے تاکہ ہم فرقہ معطلہ کی گمراہی اور فرقہ مشبہ کے ٹیڑھے پن اور ان کی کج روی سے محفوظ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات میں گمراہ ہونے والوں کی گمراہی کا سبب

صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے سلف صالحین کا منشاء اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر ایمان لانا رہا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ حتیٰ کہ فرقہ جہمیہ کا ظہور ہوا اس فرقہ کی نسبت جہم بن صفوان کی طرف ہے، جو کہ اس گمراہ فرقہ کا بانی تھا۔ اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی نفی کرنے کی فکر فاسد جعد بن درہم سے حاصل کی اور جعد نے اس فکر کو ابان بن سمعان سے حاصل کیا اور ابان نے اس گندی فکر اور سوچ کو لبید بن اعصم یہودی کی بہن کے بیٹے طالوت یہودی سے لیا۔ پس تعطیل کی فکر کا منشاء یہودیوں سے ہوا۔ اس لئے کہ جہم بن صفوان اور اس سے آگے آنے والے لوگ اس فکر میں یہودیوں کے شاگرد تھے۔ پھر یہ فکر اور منشاء دوسری صدی میں واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید (جنہوں نے معتزلہ کے مذہب کی بنیاد ڈالی) کی لیڈری کی وجہ سے عام ہو گئی۔ اللہ تبارک

و تعالیٰ کے اسماء کو ثابت کرنا اور تمام صفات کا انکار کرنا یا تاویل کرنا معتزلہ کا مذہب ہے، پھر ان میں سے کئی فرقے پھیل گئے اور ہمارے آج کے زمانہ تک تاویل اور تعطیل میں کمی و زیادتی کرنے والوں کے درمیان ہیں۔ اور انہوں نے تاویل اور تعطیل کے سلسلہ میں ایک باطل اصول پر بنیاد ڈالی جس کو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ صفات اجسام کی صفات ہیں، اب ان کے ثابت کرنے سے اللہ تعالیٰ کا جسم ہونا لازم آئے گا۔ یہ ہے ان کی عقلوں کے گمراہ ہونے کا منشاء اور سبب انہوں نے ماسوائے مخلوق کی صفات کی خصوصیتوں کے اللہ تبارک و تعالیٰ کو سمجھا ہی نہیں، انہوں نے ابتداً اپنی فاسد رائے سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو ناقصات، معدومات اور جمادات کے ساتھ تشبیہ دی اور دوسری دفعہ انکار کر دیا اور تیسری دفعہ ہر ناقص اور معدوم کے ساتھ تشبیہ دی اور جس پر قرآن و سنت دلالت کرتے ہیں بالکل چھوڑ دیا۔ امت کے سلف صالحین اور آئمہ کرام رحمہم اللہ، اللہ تعالیٰ کے لئے وہی صفات ثابت کرتے ہیں جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے ثابت کیا ہے۔ یہ حضرات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے مثالیں بیان کرتے ہیں نہ صفات کا انکار کرتے ہیں کیوں کہ صفات میں کلام کرنا ذات میں کلام کرنے کی فرع ہے، جیسا کہ فرقہ معطلہ اللہ تعالیٰ کے لئے ذات جو کہ ذوات کے مشابہ نہیں ہے، ثابت کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت بھی یہی کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے وہی ثابت کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے

لئے یا نبی کریم ﷺ نے بیان کیا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے۔ وہ قرآن و سنت پر ایمان لاتے ہیں وہ اختلاف نہیں کرتے، جیسا کہ فرقہ معطلہ نے اختلاف کیا ہے اور اپنے مذہب کی بنیاد اس فاسد اصول پر جو عقل اور نقل کے خلاف ہے رکھی ہے۔

۴: شرک اور اس کی قسمیں

گذشتہ بحث سے ہم نے توحید اور اس کی قسموں کو پہچان لیا تو اب توحید کی ضد کو پہچاننا ضروری ہے اور وہ شرک ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم چند نقطوں میں شرک کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

(۱) شرک کی تعریف اور اس کی قسموں کا بیان اور ہر قسم کا حکم۔

(۲) اس باب کی اہمیت۔

(۳) دنیا میں شرک کے واقع ہونے کا سبب

(۱) شرک کی تعریف اور اس کی قسمیں

شرک کہتے ہیں کہ انسان اس چیز میں جس کا اللہ تعالیٰ کو حق ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو برابر کرے، اور اس میں شریک کرے مطلب یہ ہے کہ عبادت کی تمام اقسام میں سے کسی قسم کو غیر اللہ کے لئے پھیر دینا اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) شرک اکبر

(۲) شرک اصغر

شرک اکبر:

عبادت کی تمام اقسام میں سے کسی قسم کو غیر اللہ کو طرف پھیرنا شرک اکبر کہلاتا ہے۔ جیسا کہ کوئی غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے یا نذر مانے یا غیر اللہ کو پکارے یا اس سے فریاد رسی کرے کرتا ہے اور وہ اس چیز کو مد نظر رکھتا ہے کہ یہ مجھے اللہ تبارک و تعالیٰ کے قریب کر دیں گے اب جو آدمی اس مہلک مرض میں مبتلا ہے وہ کافر اور مشرک ہے دائرہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اللہ تعالیٰ اس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کرے گا، اگر وہ اپنے اس شرک پر بغیر توبہ کئے مر گیا وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُو مَنْ دُونَ اللَّهِ نَدَاً دَخَلَ النَّارَ﴾

(بخاری کتاب التفسیر، ۸/۷۶۱)

ترجمہ: (جو اس حالت میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اوروں کو پکارتا

تھا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا)

کیوں کہ شرک تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے جو حالت شرک پر مر گیا تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی بھی نہیں بخشے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ (النساء: ۱۱۶)
ترجمہ: (اسے اللہ تعالیٰ قطعاً نہیں بخشتے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر
کیا جائے ہاں شرک کے سوا کے گناہ جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے اللہ
کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا)

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ
وَمَالِ الظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (البائدہ: ۷۲)
ترجمہ: (یقین مانو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو اللہ
تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گناہ گاروں
کی مدد کرنے والا کوئی نہیں)

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا کہ جو اس کے ساتھ شریک کرے گا اس
کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عِبَلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾
(الفرقان: ۲۳)
ترجمہ: (انہوں نے جو جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر
انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا)

شرک اصغر:

چھوٹا شرک بھی گناہ کبیرہ میں سے ہے، مگر وہ شرک اکبر سے کم تر ہے شرک اصغر میں مبتلا شخص ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہیں رہے گا بلکہ وہ دیگر گناہوں کی طرح جو شرک اکبر سے کم ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت ہوگا۔ (اگر چاہے تو معاف کر دے یا جہنم میں اولاً ڈال کر اور گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل کر دے)

شرک اصغر کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں

(۱) ریاکاری کہ انسان اس نیت سے عمل کرے کہ لوگ اس عمل کی بناء پر اس کی تعریف کرنے لگیں بس وہ لوگوں سے صرف اپنی تعریف کروانا چاہتا ہے، اور یہ بہت ہی خطرناک گناہ ہے۔ کیوں کہ یہ دل کا عمل ہے اس پر ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہوتا اس ریاکاری کی وجہ سے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے اس سے ڈرایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿اَخَوْفُ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكَ الْاَصْغَرَ﴾

(مسند احمد ۵/۴۲۸، سنن ابی داؤد جلد ۴/۲۱۲)

ترجمہ: (میں تم پر شرک اصغر سے بہت خوف کرتا ہوں)

نبی کریم ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ریاکاری ہے اور یہ ریاکاری اخلاص (جو کہ عمل کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرک ہے) کے منافی ہے۔

(۲) شرک اصغر کی مثالوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں شخص نہ ہوتا تو میرے ساتھ اسی طرح ہو جاتا یا یوں کہہ دے جو اللہ تعالیٰ اور فلاں شخص چاہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی سے کہتے سنا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا:

﴿أَجْعَلْتَنِي اللَّهُ عَدْلًا بَلْ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ﴾

(مسند احمد ۱/۲۸۳-۲۸۴)

ترجمہ: (کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کر دیا ہے بلکہ (آپ یہ کہیں کہ) جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے)

(۳) شرک اصغر کی مثالوں میں سے غیر اللہ کی قسم اٹھانا بھی ہے جیسا کہ کوئی نبی کریم ﷺ کی قسم اٹھائے یا امانت کی یا زندگی کی یا کسی اور مخلوق کی۔ اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ اشْرَكَ﴾ (ترمذی ج ۴/۱۱۰)

ترجمہ: (جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی تو اس نے کفر کیا یا آپ ﷺ نے فرمایا اس نے شرک کیا)

شرک اصغر کی ان کے علاوہ بھی مثالیں ہیں جن کو یہاں پر ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے، سمجھنے کے لئے اتنی ہی کافی ہیں۔ اب ہمیں چاہیے کہ ہم شرک اکبر اور شرک اصغر سے متنبہ ہو جائیں کیوں کہ یہ دونوں گناہ کبیرہ میں سے ہیں، اور ان گناہوں سے بچنے کے لئے ہم قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور توحید کو ثابت کریں۔ شرک اور تمام قسم کی بدعتوں سے جو مسلمانوں کے عقائد میں ان کی بے شعوری کی وجہ سے داخل ہو چکی ہیں خلاصی اور چھٹکارا حاصل کریں۔

(۲) اس بات کی اہمیت

شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور اس کا خطرہ بہت بڑا ہے اور یہ چیونٹی کے چلنے سے بھی باریک اور خفیہ ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر مسلمان پر اس کی پہچان واجب ہے تاکہ وہ اس سے محفوظ رہے اور اپنے معاملہ میں صاف ستھری راہ پر ہو جائے اور اس میں واقع ہونے سے محفوظ ہو جائے یہاں پر اس کے اسباب بہت زیادہ ہیں جو ہم کو اس باب کے پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں ہم ان اسباب کو مختصر ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) رسول اللہ ﷺ (جو اپنی طرف سے نہیں بولتے بلکہ اللہ کی طرف سے ان کو وحی ہوتی ہے) نے خبر دی ہے کہ اس امت میں عنقریب شرک واقع ہوگا اور بتوں کی پوجا کرنے والے لوگ پائے جائیں گے اور پہلے والے مشرکین کے

راستہ پر چلیں گے اس کے متعلق تو احادیث کثرت سے ہیں، لیکن ہم ان شاء اللہ تعالیٰ چند احادیث ذکر کریں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ النَّهَارَ حَتَّى تَعْبُدَ اللَّاتَ وَالْعِزَّى﴾

(صحیح بخاری ۱۲۶/۹، صحیح مسلم ۵۷/۸)

ترجمہ: (زمانہ زیادہ نہیں گزرے گا یہاں تک کہ لات اور عزی کی پرستش کی جائے گی)

﴿لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قِبَائِلَ أَمْتِي بِالْبَشَرِ كَيْنَ وَحَتَّى

تَعْبُدَ قِبَائِلَ مَنْ أَمْتِي الْأَوْثَانُ﴾ (ابوداؤد ج ۴، ص ۵۰)

ترجمہ: (قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ میری امت کے کئی قبیلے مشرکین سے جا ملیں گے اور یہاں تک کہ میری امت کے کئی قبیلے بتوں کی پوجا کرنے لگیں گے)

﴿لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شُبْرًا بِشُبْرٍ أَوْ ذُرًّا بِذُرٍّ أَوْ حَتَّى لَوْ

دَخَلُوا جِحْرًا ضَبْلًا خَلَّتْ بَوَاقُهُ﴾ (صحیح بخاری ۱۲۶/۹، صحیح مسلم ۵۷/۸)

ترجمہ: (تم پہلے لوگوں کے طور طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے بالشت برابر بالشت کے اور بازو بدلے باز کے یہاں تک کہ اگر وہ (ضرب) سہانے بل میں گھسے تو تم بھی گھس کر رہو گے)

ان احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کا اس مقام میں احاطہ کرنا مشکل ہے، جس چیز کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے وہ آج اس امت میں

ثابت اور واضح ہو چکی ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے اس زمانہ کے مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دین حق سے منہ موڑ رہے ہیں اور بزرگوں کی قبروں پر چمٹ رہے ہیں اور وہاں چلہ کشی بھی کر رہے ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کے نام پر جانور ذبح کر رہے ہیں اور نذر و نیاز دے رہے ہیں۔

(۲) مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ ہے کہ وہ شرک و بدعت کو پہچان لیں اور اس سے دور رہیں اور ڈریں اگر اس نے شرک و بدعت و پہچانا نہیں تو بسا اوقات بے شعوری کی وجہ سے اس میں واقع ہو جائے گا۔

اس پر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول دلالت کرتا ہے وہ فرماتے ہیں:

﴿كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ وَكَانَتْ

أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يَقَعَ فِيهِ﴾

(صحیح بخاری کتاب الفتن ج ۳/۱۳ و البنائب ج ۶/۶۱۵ و مسلم کتاب الامارات ۳/۱۴۷)

ترجمہ: (رسول اللہ ﷺ سے لوگ خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ ﷺ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا اس خوف سے کہ میں اس میں واقع نہ ہو جاؤں)

(۳) اب حالت اور واقعہ یہ ہے کہ جس کی طرف آج مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پہنچ چکی ہے آپ اسلامی ممالک میں سے کوئی ملک ایسا نہیں پائیں گے جو شرک و بدعت سے خالی ہو اس میں اجتماعات ہوتے ہیں جن کی تعظیم کی جاتی ہے

اور قبروں کی تعظیم کی جاتی ہے ان کے لئے نذریں مانی جاتی ہیں، اور ان کے پاس جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے، اور قبر والوں سے فریاد رسی کی جاتی ہے اور ان کے پاس چراغ جلائے جاتے ہیں اور وہاں میلے لگائے جاتے ہیں اور قبر والوں سے حاجتوں کے پورا کرنے، مصیبتوں کے دور کرنے اور بیماریوں کے زائل کرنے کا سوال کیا جاتا ہے۔ مشرک اور بدعتی یہ خیال فاسد کرتے ہیں کہ قبر والے مردے ہم کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں گے۔

اب ہر عقل سلیم رکھنے والے سے سوال ہے کہ یہاں قبروں کی پوجا کرنے والوں کے درمیان اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ حالانکہ یہ دونوں مخلوق ہیں، مشرکین مکہ بھی بتوں کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور ان سے فریاد رسی کرتے تھے، اور آج کے مشرک بھی اپنے آباؤ اجداد کے نقشے قدم پر چل رہے ہیں۔ اب جس کے پاس عقل سلیم ہوگی اور اس کے چہرے پر کچھ حیاء ہوگی تو وہ جواب یہی دے گا یہ مخلوق ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے، جو اپنے خود نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہے تو وہ دوسروں کے لئے تو بطریق اولیٰ کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ گم کردہ چیز کو دوسرے کو کچھ نہیں دے گی انہی اسباب کی وجہ سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم شرک اور اس کی حقیقتوں اور اس کے خطرات کے بیان کو پہچان لیں۔

(۳) دنیا میں شرک واقع ہونے کا سبب

سب سے پہلا شرک جو لوگوں میں واقع ہوا ہے وہ نیک لوگوں کی تعظیم میں غلو کرنے کے سبب سے رونما ہوا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب جہالت عام ہو جائے اور علم کم ہو جائے تو پھر شیطان لوگوں کے اندر گھس جاتا ہے اور ان کے لئے نیک لوگوں کا وسیلہ پکڑنا مزین کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ان کو نیک لوگوں کی عبادت کرنے کا حکم کرتا ہے۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اس آیت کی تفسیر میں دلالت کرتا ہے:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ

وَيَعُوقَ وَنَسَمًا﴾ (نوح: ۲۳)

ترجمہ: (اور کہا انہوں نے کہ اپنے معبودوں کو ہر گز نہ چھوڑنا وہ ودا اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسرو)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے جب یہ لوگ وفات پا گئے تو شیطان لعین نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تم ان کے مجسمے بنا لو اور ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو، تو انہوں نے ایسا ہی کیا جب ایک زمانہ گزر گیا اور یہ لوگ بھی فوت ہو گئے اور ان کے بعد کی نسلیں آگئیں اور علم بھول گیا تو وہ انہیں مجسموں کی عبادت کرنے لگے۔ (بخاری کتاب التفسیر، ج ۸ ص ۶۶)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب ان لوگوں نے مجسمے بنائے تھے تو اس وجہ سے کہ یہ نیک لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے تو ہم بھی ان کے مجسموں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ زمانہ گزر گیا بعد میں اور لوگ آگئے اور علماء فوت ہو گئے جہالت پھیل گئی علم ختم ہو گیا تو شیطان لعین ان لوگوں کے پاس آیا اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تمہارے آباؤ اجداد انہی بتوں کی عبادت کرتے تھے تو یہ جاہل انہی کی عبادت کرنے لگے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانہ کے یہ بت بعینہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کے ہاں پائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے غلو کرنے سے ڈرایا ہے۔ فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (النساء: ۷۱)

ترجمہ: (اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلو نہ کرو)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوفَانِ مَا أَهْلَكَ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوفُ﴾

(نسائی فی المناسک ج ۵/۲۱۸، ابن ماجہ ۲/۱۰۰۸ و مسند احمد ۱/۲۱۵ بخاری ۵/۱۳۷۵)

ترجمہ: (غلو کرنے سے بچ جاؤ تم سے پہلے لوگوں کو غلو نے ہلاک کر دیا)

(۵) عبادت اور اس کی قسمیں

عبادت کا لغوی معنی عاجزی کرنا مطیع اور تابع دار ہونا ہے، اور شرعاً اس کا معنی یہ ہے کہ عبادات اسے کہتے ہیں جو ایسے اعمال اور اقوال (چاہے ظاہر ہوں یا باطنہ) کو جامع ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ اور یہ عبادت دو اصولوں پر مبنی ہے۔

(۱) خالص اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرنا۔

(۲) عبادت میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا۔

جب تک یہ دو شرطیں نہیں پائی جائیں گی تو عبادت صحیح نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ہم پہلے اس پر تفصیل سے کلام کر چکے ہیں۔ عبادت کی کئی قسمیں ہیں ان تمام کو اکیلے اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے کرنا واجب ہے۔ اگر جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت کی تو وہ مشرک اور کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بطور سمجھانے کے لئے عبادت کی چند قسمیں ذکر کریں گے کیوں کہ تمام عبادت کی قسموں کا احاطہ کرنا یہاں مشکل ہے۔

(۱) دعا:

اللہ تبارک و تعالیٰ سے خیر کو طلب یا کسی مصیبت کے دور کرنے کا سوال کرنے کو کہتے ہیں، اب واجب یہ ہے کہ یہ دعا خالص اللہ تعالیٰ سے کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر: ۶۰)

ترجمہ: (اور تیرے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری فریاد قبول کروں گا جو لوگ مجھے پکارنے سے تکبر کرتے ہیں، عنقریب وہ اکھٹے جہنم میں داخل ہوں گے)

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ (الاعراف: ۵۵)

ترجمہ: (تم لوگ اپنے رب سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی)

﴿وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ (الاعراف: ۵۶)

ترجمہ: (اور تم اس کو ڈرا اور توقع سے پکارو)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(الدعاء هو العبادة)

(ابوداؤد باب الوتر، ج ۲/۱۶۱ والدعوات ج ۵/۲۵۶، ابن ماجہ ج ۲/۱۲۵۸، احمد ج ۴/۲۶۷)

ترجمہ: (دعا عبادت ہے)

یہ نصوص دلالت کرتی ہیں کہ دعا عبادت کی قسموں میں سے خاص ترین اور اہم ترین عبادت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے غیر اللہ سے دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ

الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ (الحقاف: ۵)

ترجمہ: (اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہ کر سکیں؟ بلکہ ان کے پکارنے سے وہ محض بے خبر ہیں)

﴿وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ﴾

(الحقاف: ۶)

ترجمہ: (اور جب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو یہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے صاف انکار کریں گے)

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعٍ﴾

﴿لَا يَسْعَوْنَ دُعَاءَكُمُ وَلَوْ سَبِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ

يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ (فاطر: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: (اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سننے ہی نہیں اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو قبول نہیں کر سکتے، بلکہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے تجھے کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا)

یہ آیات اور ان کا مفہوم غیر اللہ سے دعا مانگنے کے خطرہ پر دلالت کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مسلمان ان جیسی آیات قرآنیہ سے کیسے غافل ہیں، کیوں کہ ہم کئی مسلمانوں کو خصوصاً قبروں کے پاس پاتے ہیں جو ان سے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں۔ جن کو یہ لوگ اولیاء کہتے ہیں وہ ان سے یہ گمان فاسد کرتے ہیں کہ یہ ان کی دعا کو سنتے ہیں اس عمل بد کو شیطان لعین نے ان کے لئے مزین اور خوبصورت بنادیا ہے۔ یہاں تک کہ حق بات سننے سے ان کے کان بہرے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان کی عقلوں کے کس طرح ہوش اڑ گئے ہیں یہاں تک کہ ان احمقوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا ہے کہ قبر میں مردہ ان کو نفع دے گا یا ان کی کوئی مصیبت دور کرے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْبِيْلُكُمْ صَرًّا وَلَا نَفْعًا
وَاللَّهُ هُوَ السَّيِّعُ الْعَلِيمُ﴾ (البائسہ: ۲۷)

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک ہیں نہ کسی نفع کے، اللہ ہی خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ہے)

(۲) استغاثہ:

انسان پر اترنے والی مصیبتوں کے دور کرنے کی طلب کو استغاثہ کہتے ہیں بالفاظ دیگر فریاد رسی کرنا اور یہ بھی دعا کی ایک قسم ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ (الانفال: ۹)
ترجمہ: (اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے،
پھر اس نے تمہاری سن لی)

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک منافق تھا اور وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ جو مسلمانوں کو تکلیف اور ایذا پہنچاتا تھا، تو لوگوں نے کہا تم ہمارے ساتھ اٹھو ہم اس منافق سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے فریاد رسی کرتے ہیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَا يَسْتَعَاذُ بِي وَأَنَا يَسْتَعَاذُ بِاللَّهِ﴾

(مجمع الزوائد ج ۱۰/۱۵۹، طبقات ابن سعد ج ۱/۳۸۷)

ترجمہ: (مجھ سے فریاد رسی نہیں کی جائے گی صرف اللہ ہی سے فریاد رسی کی جائے گی)

یہ حدیث غیر اللہ سے مدد مانگنے اور فریاد رسی کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے، بالیقین نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس منافق سے چھٹکارا دینے پر قادر تھے، مثلاً اس کو مدینہ منورہ سے نکلوا دیتے اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے ان پر فریاد رسی کی تکبیر فرمائی، یہ آپ نے شرک کے دروازے بند کرنے کے لئے کیا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مدد طلب کرنا اور فریاد رسی کرنا نبی کریم ﷺ سے اور نہ ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان سے جائز ہے۔

(۳) نذر:

اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر کوئی ایسی عبادت لازم کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کی۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کے کرنے سے آدمی اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے جبکہ ان اعمال سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور یہ اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوں عبادتوں میں اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، اور یہ اعمال انسان کی طاقت میں ہوں۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے لئے اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی رکعات نفل نماز پڑھوں گا یا یہ یہ عبادتیں کروں گا۔ ایسے لوگوں کی جو اپنی نذروں (منتوں) کو پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ (الدھر: ۷)

ترجمہ: (وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے)

﴿مَنْ نَذَرَ أَنْ يَطِيعَ اللَّهَ فَلْيَطِعهْ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ فَلَا

يَعْصِهْ﴾ (صحیح بخاری ج ۸/۷۷۷، عن عائشة رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: (جس نے نذر (منت) مانی کہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کروں گا تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جس نے نذر (منت) مانی کہ میں اللہ کی نافرمانی کروں گا تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے)

۴) ذبح اور نحر:

یہ بھی عبادت کی ایک قسم ہے جس میں کئی لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اور وہ اس ذبح کے ذریعہ غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے لگ گئے ہیں۔

جیسا کہ نیک لوگوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جانوروں کو ذبح کرنا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ ہمارا صدقہ اس قبر کے والے مردے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچے گا۔ یہ بعینہ شرک اکبر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ذبح ہو یا کوئی اور عبادت ہو صرف خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونی چاہئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ☆ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الانعام: ۱۶۲)
ترجمہ: (آپ فرمادیں کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں)

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ﴾ (الکوش: ۲)

ترجمہ: (تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لعن الله من ذبح لغير الله﴾

(مسلم کتاب الاضاحی ج ۳/۱۵۶، والنسائی ج ۷/۲۰۵، ومسند احمد ۱۰۸/۱-۱۱۸)

ترجمہ: (غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے)

بلکہ نبی کریم ﷺ نے جن جگہوں میں غیر اللہ کی پوجا کی جاتی تھی یا وہاں زمانہ جاہلیت میں میلے لگائے جاتے تھے وہاں پر جانور ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نذر

مانی کہ وہ بوانہ مقام پر (یہ مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے) اونٹ ذبح کرے گا تو اس نے اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا:

﴿هل كان فيها وثن يعبد؟ فقال لا قال هل كان فيها عيد من

اعباد الجاهلية؟ قال لا، قال فأوف بنذرک فانہ لا وفاء لنذر فی

معصية الله ولا فيما لا يملك ابن آدم﴾ (ابوداؤد ۳/۲۰۷)

ترجمہ: (کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی؟ تو اس صحابی نے عرض کی کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا وہاں زمانہ جاہلیت میں میلہ لگتا تھا؟ تو اس نے عرض کی کہ نہیں تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم اپنی نذر کو پورا کر لو، کیوں کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو وہاں نذر کو پورا نہیں کیا جاتا اور اس میں بھی نذر کو پورا نہیں کیا جاتا جس کا ابن آدم مالک نہیں ہوتا)

عبادت کی کئی قسمیں ہیں، جیسے محبت، خوف، امید، عاجزی و انکساری، خشیت اور انابت الی اللہ وغیرہا۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، جس نے کسی عبادت کے ذریعہ غیر اللہ کا قرب حاصل کیا تو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔

ما قبل قرآن کریم کی آیات گزر چکی ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیتی ہیں اور انسان پر واجب کرتی ہیں کہ یہ تمام عبادتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

(۶) تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کا بیان

دم اور جھاڑ پھونک (جو کسی مریض پر پڑھ کر پھونکا جاتا ہے) کا حکم جھاڑ پھونک کی نوع کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کے جواز اور عدم جواز کو آگے چل کر بیان کریں گے۔

تعویذ گنڈے وہ ہیں جو بچوں کے گلوں میں لٹکائے جاتے ہیں یا بد نظری کے خوف کی وجہ سے ان کو استعمال کیا جاتا ہے یا کسی اور سبب سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک منع ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿ان الرقى والتسمائم والتولة شرك﴾ (ابوداؤد کتاب الطب، ج ۳/۲۱۲)
ترجمہ: (شرکیہ) دم جھاڑ اور تعویذ گنڈے لٹکانا اور محبت کے لئے
جنتر منتر (جادو) کرنا شرک ہے)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا
کے گلے میں ایک دھاگہ دیکھا تو انہوں نے اس دھاگہ کے بارے میں اپنی بیوی
سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آنکھوں میں بیماری کی وجہ سے اس دھاگہ
میں دم کروا کر باندھا ہے، تو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس دھاگے کو
کاٹ دیا اور ان سے فرمایا کہ عبداللہ کی آل شرک سے مستغنیٰ ہے، اور آپ کو
صرف اتنا کہنا کافی ہے۔

﴿أَذْهَبُ الْبُأْسَ رَبَّ النَّاسِ أَشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا
شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا﴾ (ابوداؤد ج ۳/۲۲۱ ابن ماجہ کتاب
الطب ۹۹)

ترجمہ: (اے لوگوں کے پروردگار! بیماری دور کر دے اور شفاء عطا فرما تو
ہی شفاء عطا کرنے والا ہے ماسوائے تیری شفاء کے کوئی شفاء نہیں ہے جو
کسی قسم کی بھی بیماری نہیں چھوڑتی)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث تعویذ گنڈے اور جھاڑ
پھونک کے شرک ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

جھاڑ پھونک کی حرمت اور عدم حرمت میں کچھ تفصیل ہے۔ جھاڑ پھونک کی دو قسمیں ہیں، ایک حرام اور شرک ہے اور دوسری قسم جائز ہے۔

(۱) حرام تو وہ ہے جس میں شرکیہ الفاظ ہوں اور غیر اللہ سے مدد طلب کی جائے اور اس سے پناہ مانگی جائے۔

(۲) جائز وہ ہے جو شرک کے شوائب سے خالی ہو بلکہ قرآن و سنت کے الفاظ اس میں ہوں حدیث میں جو منع آیا ہے وہ پہلی قسم سے روکا گیا ہے کیوں بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا رُقِيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حَبَّةٍ﴾

(بخاری باب الطب ۱۰/۱۵۵، و مسلم کتاب الایمان ۳۷/۱۹۹)

ترجمہ: (ماسوائے بد نظری یا بچھو کے ڈسنے سے جھاڑ پھونک نہیں ہے)

اس حدیث میں دم کروانے کی اجازت ہے۔

بد نظری اسے کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھتا ہے تو وہ ماشاء اللہ نہیں کہتا تو بسا اوقات اس کی نظر اس چیز کو لگ جاتی ہے۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿الْعَيْنُ حَقٌّ﴾ (بخاری، باب الطب ۱۰/۲۰۳ و مسلم ۴/۱۹۷)

ترجمہ: (بد نظری حق ہے کہ یہ انسان کو لگ جاتی ہے)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے اس دم کے متعلق سوال کیا جو وہ کرتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

﴿إِعْرَضُوا عَلَى رِقَاكُمْ لَا بِأَسْ بِالرِّقَى مَا لَمْ تَكُنْ شَرَكًا﴾

(مسلم ۶۲ ج ۲/۴۷۷ و ترمذی باب الطب ج ۲/۲۱۴)

ترجمہ: (تم مجھے اپنے دم و درود دکھاؤ جب تک اس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں تو دم و درود کا کوئی حرج نہیں ہے)

نبی کریم ﷺ نے بھی دم کیا اور ان پر دم کیا بھی گیا اور انہوں نے اس دم کو برقرار رکھا۔

کئی احادیث میں وارد ہے کہ چند شروط کے ساتھ دم کروانا جائز ہے۔

(۱) قرآن و حدیث یا اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء اور صفات یا سلف صالحین سے منقول شدہ دعاؤں کے ذریعہ ہو۔

(۲) دم عربی زبان میں ہوا اگر دم کرنے والا عربی کو اچھی طرح نہیں جانتا اور عربی میں الفاظ ادا نہیں کر سکتا تو پھر شرط یہ ہے کہ مترجم دعا کتاب و سنت کے مطابق ہو۔

(۳) آدمی یہ عقیدہ نہ رکھے کہ شفاء کا اثر صرف اسی دم میں ہے کیوں کہ شفاء تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے یہ تو علاج کا ایک ذریعہ ہے۔

اب رہ گئے تعویذ گنڈے تو یہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہیں ان کو باندھنا حرام ہے، جب آدمی ان میں خیر کے طلب اور شر کے دور کرنے کا عقیدہ رکھ لے تو یہ شرک اکبر تک پہنچا دیتے ہیں۔

ترمذی شریف میں سیدنا عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿من تعلق شیئاً وکل الیہ﴾

(ترمذی فی الطب ج ۲۲/۴، احمد ج ۴/۳۱۰)

ترجمہ: (جس نے کوئی چیز لٹکائی اس کو اسی کے سپرد کر دیا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف چھوڑ دے گا)

﴿من تعلق تبیۃ فلا اثم اللہ لہ﴾

(مسند احمد ج ۴/۶۵۴)

ترجمہ: (جس نے تعویذ لٹکایا تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے)

ایک روایت میں آتا ہے:

﴿من تعلق تبیۃ فقد اشرک﴾

(مسند احمد ج ۴/۱۵۶ والحاکم ج ۲/۲۱۹)

ترجمہ: (جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا)

ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس کے ہاتھ میں پیتل کا ایک حلقہ (کڑا) تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو

اس نے عرض کی کہ میرے جوڑوں میں بیماری ہے جس کی وجہ سے میں نے اس کو پہنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ:

﴿انزعها فانها لا تزيدك الا وهناً وانك لومت وهي عليك ما

افلحت ابداً﴾ (مسند احمد ج ۴/۴۵۵ ابن ماجہ فی الطب ج ۲/۱۶۷)

ترجمہ: (اس کو اتار دو یہ آپ کی بیمار کو اور زیادہ کر دے گا اور اگر تم اسی حالت میں مر گئے کہ یہ آپ کے ہاتھ میں تھا تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے بخار کی وجہ سے دھاگہ باندھا ہوا ہے، تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس دھاگے کو توڑ دیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف: ۱۰۶)

ترجمہ: (اور ان کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں لائی اور وہ مشرک ہیں)

تمام قسم کے تعویذات لٹکانے کی حرمت پرادلہ واضح اور روشن ہیں۔

چاہے ان میں قرآن حکیم کی آیات ہی کیوں نہ لکھی ہوئی ہوں۔ جس نے یہ کہا کہ جس میں قرآن کریم کی آیات لکھی ہوں تو جائز ہے تو اس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اس کے قول کو دلیل نہیں بنایا جائے گا اس لئے کہ اس کی بات پر قرآن و حدیث کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اور وہ پردے (چادریں) جن پر قرآن حکیم لکھا ہوا ہوتا ہے، پھر ان چادروں کو مریضوں پر ڈالا جاتا ہے، حرام ہے۔ ان کے درمیان اور تعویذات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ تعویذات کا حرام ہونا چند وجوہات کی بنا پر ہے:

﴿ تعویذات کی حرمت میں نہیں اور ممانعت کا عموم ہے، اس عموم کو خاص کرنے والی کوئی چیز (دلیل) نہیں آئی۔ اور یہ ایک اصولی قاعدہ ہے کہ عام اپنے عموم پر باقی رہتا ہے جب تک اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل نہ آئے۔

﴿ قرآن کریم میں سے لکھے ہوئے تعویذات لٹکانا قرآن کریم کو حقیر اور کمتر سمجھنے کے مترادف ہے اور اس کے ساتھ لہو و لعب ہے اس لئے کہ کبھی کبھار انسان نجاستوں کی جگہ آتا ہے یا ان جگہوں میں جاتا ہے جن جگہوں سے قرآن کریم ادا یا اور احتراماً منزه کیا جاتا ہے۔

﴿ اسباب کو روکنے کے لئے اس لئے کہ اگر قرآن کریم سے لکھے ہوئے تعویذات کی اجازت دی جائے تو یہ غیر قرآن کریم سے تعویذات لکھنے اور لٹکانے کا ذریعہ بن جائے گا اور ایسا ہوا بھی۔

﴿ اس طرح کا عمل سلف صالحین میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف سے اس طرح کی جو نسبت کی گئی ہے صحیح نہیں ہے۔

اگر یہ تعویذ گنڈے مشروع اور جائز ہوتے تو نبی کریم ﷺ اس کو بیان کر دیتے اور اس عمل کی دلیل صحیح طور پر ہم تک پہنچ جاتی، اس لئے کہ بیان ضرورت کے وقت پیچھے نہیں رہتا۔

ہمارے اس زمانہ میں کچھ جادو گر اور ہاتھ کی صفائی دکھانے والے پائے جاتے ہیں۔ جو لوگوں کے لئے ان اوراق میں جن کے ذریعے شفاء حاصل کرتے ہیں تعویذات لکھتے ہیں اور ان کو لوگوں کے گلوں میں باندھتے ہیں، اور جھوٹ بول کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور ان کے دین اور عقیدہ کو فاسد کرتے ہیں۔

کئی مولوی بھی اس مہلک مرض میں مبتلا ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان لٹیروں اور دین کے ڈاکوؤں سے بچ جائیں اور ان کے پاس جا کر علاج کروانے سے پرہیز کریں اس لئے کہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی کتاب سے کھیلتے ہیں اور اپنے شعبہ بازی اور ہاتھ کی صفائی سے کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔
(۷) وسیلہ:

التوسل، لغۃً التقرّب: وسیلہ کا لغوی معنی ہے قرب حاصل کرنا اور شرعاً جس چیز کے ذریعہ مطلوب کا قرب حاصل کیا جائے وسیلہ واسطہ اور سبب ہوتا ہے جو مراد تک پہنچا دے، امام ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿الواصل الراغب والوسيلة القربة والواسطة وما يتوصل به إلى

(النهاية لابن الشیراز ۵/۱۸۵)

الشيء ويتقرب به﴾

ترجمہ: (کہ وسیلہ قرب اور واسطہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ کسی چیز تک پہنچا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ قرب حاصل کیا جاتا ہے)

القاموس المحیط میں ہے:

﴿وَسَلِّ إِلَى اللَّهِ تَوْسِيلاً عَمَلٌ عَمَلًا تَقْرَبُ بِهِ إِلَهَهُ﴾

(القاموس المحيط ج ۴/۲۱۲، مادةً وسل)

ترجمہ: (ایسا کام کرنا جس کے ذریعہ مقصود کا قرب حاصل کیا جائے)

قرآن کریم میں وسیلہ کا معنی (جو ہم نے وسیلہ کا لغوی معنی کیا ہے) یہی معنی ہے۔ جس کی سلف صالحین نے قرآن کریم میں وارد ہونے والے وسیلہ کی تفسیر کی ہے اور یہ اعمال صالح سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے معنی سے نہیں نکلے گا۔ قرآن کریم میں وسیلہ کا ذکر دو آیتوں میں آیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا

فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (البائدة: ۳۵)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو، تاکہ تمہارا بھلا ہو)

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾

(الاسماء: ۵۷)

ترجمہ: (جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید واری میں لگے رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہیں بات بھی یہی ہے کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے)

امام المفسرین حافظ ابن جریر رحمہ اللہ پہلی آیت کی تفسیر (اتَّقُوا اللَّهَ) میں فرماتے ہیں:

”اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو تم کو حکم دیا اور جس سے منع کیا ہے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے اس کو قبول کر لو ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والے اعمال سے اس کا قرب حاصل کرو۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وسیلہ کا معنی قرب نقل کیا ہے اور اسی طرح انہوں نے قتادہ، مجاہد، عبد اللہ بن کثیر، سدی، ابن زید رحمہم اللہ اور کئی دوسرے مفسرین سے یہی معنی نقل کیا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ اس معنی میں ائمہ مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وسیلہ وہ ہے جس کے ذریعہ مقصد اور مراد کو پہنچا جائے۔ دوسری آیت کے شان نزول کی مناسبت (جو وسیلہ کے معنی کو واضح کرتی ہے) کو جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ جنوں کی عبادت

کرتے تھے جن تو مسلمان ہو گئے تھے اور ان لوگوں نے جنوں کے پہلے والے دین کو پکڑ لیا۔ (بخاری کتاب التفسیر ج ۸/۳۹۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ ہمیشہ جنوں کی عبادت کرتے رہے اور جن اس پر خوش نہیں تھے اس لئے وہ تو مسلمان ہو چکے تھے اور جن اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۸/۳۹۸)

اس آیت کی تفسیر میں یہی قول معتبر ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کر کے اس پر صراحت کی ہے۔

قرآن کریم کی آیت وسیلہ کو تقرب الی اللہ کے معنی میں لینے پر صریح ہے، اسی لئے تو ”یبتغون“ فرمایا۔ یعنی جو لوگ اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں وسیلہ کے معنی میں یہی تفسیر ہم نے سلف صالحین سے نقل کی ہے۔ اس پر لغت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

جن لوگوں نے ان دونوں آیتوں سے انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمہم اللہ کی ذات سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے تو ان کا یہ استدلال باطل ہے اور قرآن کریم کے اندر تحریف ہے اور لفظ کو اپنے ظاہری معنی سے پھیرنا ہے اور نص کو وہاں پر محول کرنا جس کا احتمال نہیں ہے۔

سلف صالحین اور ائمہ مفسرین رحمہم اللہ جن کے اقوال کو معتبر سمجھا جاتا ہے
میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ جب کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وسیلہ
وہ نیک عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اس نیک عمل کا
شریعت کی رو سے معلوم ہونا ضروری ہے۔

کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان اعمال کا اختیار ہمیں نہیں دیا اور نہ ہی ان کی
حد بندی کرنا ہماری عقلوں کے سپرد کی ہے، کیوں کہ عقلیں مختلف اور جدا جدا
ہوتی ہے، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان اعمال میں اپنی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا
ہے اور ہمیں چاہئے کہ ہم اس معاملہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد اور اس کی
تعلیم کی پیروی کریں اس لئے کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس
کو کون سا عمل خوش کرتا ہے۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب
حاصل کرنے والے وسائل کو پہچان لیں اور ہم اس مسئلہ میں قرآن و سنت کی
طرف رجوع کریں۔

ہم نے پہلے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ عمل اس وقت تک قبول نہیں
ہوتا جب تک خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور سنت کے مطابق نہ ہو۔

اس قاعدہ کی بناء پر وسیلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرعی وسیلہ، (۲) بدعت وسیلہ۔

(۱) شرعی وسیلہ:

کتاب و سنت کی طرف رجوع کر کے ہم مشروع وسیلہ کو تین قسموں میں منحصر پاتے ہیں۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا۔

(۲) نیک اعمال کے ذریعہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرنا۔

(۳) نیک زندہ آدمی کی دعا سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا۔

ان شاء اللہ تعالیٰ ہم ان تینوں قسموں کو دلائل کے ساتھ بیان اور واضح کریں گے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے ذریعہ اس کو طرف

وسیلہ تلاش کرنا

وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی دعائیں یوں کہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ
اَنْ تُعَافِیْنِیْ﴾

یا یوں کہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَرْحَمَنِیْ﴾

یا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعا اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ذریعہ مانگ لے۔

وسیلہ کی اس قسم پر قرآن و حدیث کی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا وَذُرُّوْا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ
أَسْمَائِهِۦ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ کے اچھے نام ہیں تم ان سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں) نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَیْبِ وَقُدْرَتِكَ عَلٰی الْخَلْقِ اَحْیِنِیْ مَا عَلِمْتَ
الْحَیٰۃَ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّیْنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَیْرًا لِّیْ﴾

(بخاری ج ۱۰/۱۰۷ و مسلم ج ۲/۲۰۶۳)

ترجمہ: (اے اللہ! میں تیرے علم غیب اور تیری مخلوق پر قدرت کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ تیرے علم کے مطابق میرے لئے زندگی بہتر ہو اور مجھے اس وقت موت دے جب تیرے علم کے مطابق موت میرے لئے بہتر ہو)

نبی کریم ﷺ نے دعاء استخارہ میں فرمایا:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ﴾ (بخاری باب التهجید ج ۲۸/۳ والدعوات ج ۱۱/۱۸۳)
ترجمہ: (اے اللہ! بے شک میں آپ سے آپ کے علم کے واسطے سے
خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کے واسطے سے ہمت طلب کرتا
ہوں اور آپ سے آپ کے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں)

﴿يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ﴾

(ترمذی ج ۱۰/۲۶۷ والحاکم ج ۱/۵۰۹ وھوحدیث حسن)

ترجمہ: (اے ہمیشہ زندہ قائم رہنے والے! آپ کی رحمت کے واسطے
سے فرما د کرتا ہوں) (اور یہ حدیث حسن ہے)

نبی کریم ﷺ نے پریشانی کی دعائیں فرمایا:

﴿أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ نَفْسُكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ﴾ (مسند احمد ج ۱/۳۹۱)

ترجمہ: (اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اس نام (کے واسطے) سے
سوال کرتا ہوں جو تو نے خود رکھا ہے یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اپنی
مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا تو نے خود اپنے ہاں مخفی رکھا ہے)
اسی طرح کی اور بھی دعائیں کثرت سے نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔

(۲) نیک اعمال سے اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنا:

جب نیک اعمال میں ان کی شرط کا لحاظ رکھا جائے، دعا مانگنے والا یوں کہے:

اللهم بإيماني بك ومحبتى لك واتباعى لرسولك اغفرلى (اے اللہ! میرا تجھ پر ایمان لانے اور تجھ سے محبت کرنے اور تیرے رسول کی اتباع کرنے کے سب میری مغفرت فرمادے) یا اسی طرح اور دعا مانگے ان دعاؤں سے جو مشروع ہیں اس پر قرآن کریم بھی وضاحت اور دلالت کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا آمَنَّا بِمَا آتَيْنَا لَنَا فَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

النَّارِ﴾ (آل عمران: ۱۶)

ترجمہ: (اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا)

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ

الشَّاهِدِينَ﴾ (آل عمران: ۵۳)

ترجمہ: (اے ہمارے رب! ہم نے یقین کیا ہے اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم نے رسول کی پیروی کی سو تو لکھ دے ہم کو مانے والوں میں)

﴿رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا

رَبَّنَا فَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾

(آل عمران: ۱۹۳)

ترجمہ: (اے ہمارے رب! بالیقین ہم نے سنا ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لائے اے ہمارے رب، اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں دور کر دے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہم کو موت دے)

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ ان الفاظ سے دعا مانگ رہا ہے:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

(ترمذی کتاب الدعوات ج ۵/۵۱۵ وابن ماجہ کتاب الدعاء ج ۲/۱۲۶۷)

ترجمہ: (اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس واسطے سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، مگر تو اکیلا ہے تو بے نیاز ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور اس کا کوئی بھی ہمسر نہیں ہے)

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا مانگی جس نے اس اسم اعظم کے ذریعہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری کرے گا جب اس اسم اعظم کے ذریعہ سے پکارا جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی پکار کو قبول کرتا ہے۔

وسیلہ کی اس قسم پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس میں تین آدمیوں کے واقعہ کا ذکر ہے کہ وہ بارش کی وجہ سے ایک غار میں چلے گئے اور اوپر سے ایک چٹان گری جس نے غار کا منہ بند کر دیا تو وہ دوسرے سے کہنے لگے کہ تم میں ہر ایک اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرے تاکہ ہم کو اس (مصیبت) سے نجات مل جائے تو ایک نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے وسیلہ سے دعا کی اور دوسرے نے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہ چھوڑنے کے وسیلہ سے دعا کی، جس وقت وہ اپنے چچا کی بیٹی کے ساتھ زنا کرنے پر قادر تھا تو اس (لڑکی) نے اسے اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا تو وہ (اللہ تعالیٰ کے خوف سے) ہٹ گیا۔ اور تیسرے نے اپنی امانت اور صداقت کے وسیلہ سے دعا کی جب اس نے ایک ایسے آدمی کی مزدوری بڑھائی جس نے اپنی مزدوری کو کم سمجھ کر چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ کافی سارا مال بن گئی اور یہ آدمی ایک زمانہ بعد اس کے پاس آیا (اور اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا تو اس آدمی نے اس مال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تمام مال آپ کا ہے اسے لے جاؤ) اس نے اپنا تمام مال اس سے لے لیا۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے دعا کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

یہ قصہ مشہور و معروف ہے اس لئے اس کو مفصل ذکر نہیں کیا۔ عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

یہ واقعہ نیک عمل (جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو) کے وسیلہ کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) نیک زندہ آدمی کی دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف

وسیلہ تلاش کرنا

مثلاً کوئی مسلمان کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے حق میں اپنی کوتاہی کو بھی جانتا ہے اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف قوی سبب پکڑنے کو پسند کرتا ہے تو وہ کسی نیک، متقی، پرہیزگار، قرآن و سنت کی اتباع کرنے والے کے پاس آتا ہے اور اس سے اپنے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کروانا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی کو دور کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کے جواب پر حدیث اور صحابہ کرام کا عمل بھی دلالت کرتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نبی کریم ﷺ ممبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو اس اعرابی نے عرض کی اے اللہ کے رسول مال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع (ختم) ہو گئے آپ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارش برسائے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دعا مانگنے لگے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ جب آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو) میں نے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔ آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

﴿اللَّهُمَّ اغْنِنَا اللَّهُمَّ اغْنِنَا اللَّهُمَّ اغْنِنَا﴾

ترجمہ: (اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔)

اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ہم نے آسمان پر کسی قسم کا کوئی بادل نہیں دیکھا ہمارے درمیان اور سلع نامی پہاڑ کے درمیان کوئی گھر نہیں تھا تو سلع پہاڑ کے پیچھے سے ایک ڈھال کی طرح چھوٹا سا بادل نمودار ہوا جب وہ آسمان کے بیچ میں آیا تو (ہر طرف) پھیل گیا اور برسنے لگا۔ پس اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ مبارک کو ابھی رکھا نہیں تھا کہ پاڑوں کی طرح بادل پھیل گئے، پھر نبی کریم ﷺ ممبر سے اترے نہیں تھے کہ میں نے آپ کی داڑھی مبارک پر بارش کے قطرے ٹپکتے ہوئے دیکھے۔ پھر ہم نے نماز پڑھی اور مسجد سے نکلے اور پانی میں چلنے لگے حتیٰ کہ ہم اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے اور بارش دوسرے جمعہ تک مسلسل برستی رہی۔ پھر وہی اعرابی یا کوئی دوسرا آیا اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ

بارش کو ہم سے روک لے تو نبی کریم ﷺ مسکرائے اور اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور فرمایا:

﴿اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا﴾

ترجمہ: (اے اللہ! بارش کو ہمارے ارد گرد تو برسا لیکن ہم پر نہ برسا) ﴿

(آپ کی اس دعا کے بعد) باد چھٹ گئے اور مدینہ منورہ کے ارد گرد برسنے لگے اور بارش کا کوئی بھی قطرہ (اس کے بعد) مدینہ منورہ میں نہیں گرا۔

(بخاری کتاب الاستسقاء ج ۲/۵۰۱ و مسلم ج ۲/۶۱۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نیک آدمی کی دعا سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔ اس واقعہ کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس وقت لوگوں پر بارش بند ہو جاتی تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب کی دعا کے وسیلہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے بارش طلب کرتے اور کہتے اے اللہ! ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی دعا سے آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے تھے تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے چچا کی دعا سے آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں پس ہم پر بارش برسا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تو) لوگوں پر بارش برستی۔ (بخاری ج ۲/۴۹۴ و فضائل اصحاب النبی ج ۱۱/۷۷)

سیدنا عمر کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان ہوتے تو ہم آپ کے پاس آکر ان سے دعا کرواتے تھے اور ہم ان کی دعا کے ذریعہ آپ کا قرب حاصل کرتے تھے اور اب نبی کریم ﷺ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہو گئے ہیں اور ان کا اب وہاں سے آکر ہمارے لئے دعا کرنا ممکن نہیں ہے۔ پس ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ہم ان سے اپنے لئے دعا کرواتے ہیں۔

یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ وہ اپنی دعا میں ﴿اللهم بجاہ نبیک اسقنا﴾ (کہ اے اللہ اپنے نبی کے مرتبہ اور اعزاز سے ہم پر بارش برسا) کہتے تھے، اور عباس رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ﴿اللهم بجاہ العباس اسقنا﴾ کہتے تھے۔ اس لئے کہ یہ دعا بدعت ہے، اس کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی نے اس طرح کیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا یزید بن اسود رحمہ اللہ کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کی تھی۔

(رواہ حافظ ابن عساکر فی تاریخہ ۱۸/۱۵/۲ بسند صحیح۔ وحافظ ابن حجر فی الاصابۃ ج ۳/۳۲)

سیدنا یزید بن اسود رحمہ اللہ افاضل تابعین میں سے تھے۔ اگر کسی کی ذات یا جاہ و جلال کا وسیلہ مشروع ہوتا تو سیدنا عمر اور سیدنا معاویہ نبی کریم ﷺ کی ذات

سے عدول کر کے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا یزید بن اسود رحمہ اللہ کا واسطہ تلاش نہ کرتے۔

(۲) بدعتیانہ وسیلہ:

ما قبل ہم نے مشروع وسیلہ اور اس کی اقسام اور دلیلیں پہنچان لی ہیں اور یہیں سے جانتے ہیں کہ اس کے علاوہ جو وسیلہ ہے جیسے بحق فلاں یا جاہ فلاں بدعت ہے۔ اس وسیلہ پر کتاب و سنت کی کوئی نص دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی اس قسم کا وسیلہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کی طرف سے منقول ہے۔ لہذا اس بدعت وسیلہ کے باطل ہونے پر یہی کافی ہے اسی وجہ سے اکثر ائمہ محققین نے اس کا انکار کیا ہے۔ جس کسی بدعتی مولوی نے اس کی اجازت دی ہے تو اس کے قول کا ادنیٰ سا بھی اعتبار نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کا قول قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے ٹکراتا ہے اور قرآن و حدیث دین میں بدعتیں ایجاد کرنے سے منع کرتے ہیں۔

وسیلہ کے بارے میں شبہات اور ان کا رد

ذات، جاہ اور مرتبہ کے وسیلہ کے جواز کے قائلین جن دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں، تو یہ ادلہ دو حال سے خالی نہیں ہے:

(۱) یا تو یہ دلیلیں صحیح ہوں گی تو انہوں نے ان میں تحریف کی ہوگی اور ظاہری معنی کو انہوں نے سمجھا نہیں ہوگا اور لفظ کو اپنے ظاہری معنی سے پھیر دیا ہوگا۔

(۲) یا یہ دلیلیں بالکل باطل اور موضوع ہوں گی جن پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔
ہم انشاء اللہ تعالیٰ ان دونوں امروں پر مختصر سی روشنی ڈالیں گے۔

امراول:

وہ نصوص ہیں جن کو انہوں نے وہاں محمول کیا ہے جہاں ان کو محمول نہیں کیا جاتا ذات کے ذریعہ وسیلہ کے قائل دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور اپنا یہ خیال فاسد کرتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ان کے باطل مذہب کی تائید کرتی ہیں۔

حدیث اول:

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب لوگوں سے بارش رک جاتی تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے بارش طلب کرتے اور کہتے: اے اللہ! بے شک ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برساتا تھا، اور اب ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے چچا کے ذریعہ آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، پس ہم پر بارش برسا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر بارش برسائی جاتی۔ اس حدیث سے جاہل یہ سمجھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ

عنہ کی ذات اور ان کی جاہ (جو ان کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ تھا) سے وسیلہ تلاش کیانہ کی ان کی دعا سے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وسیلہ صرف یہی تھا کہ انہوں نے دعا کروائی اور عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی دعائیں کہا کہ اے اللہ میری وجہ سے ان پر بارش برسا اور صحابہ کرام نے اس کو اسی پر برقرار رکھا۔ یہ لوگ اپنے اس دعویٰ کو اپنے فاسد خیال سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کا یہ استدلال پانچ وجہوں سے باطل اور مردود ہے۔

(۱) اگر کسی کی ذات اور جاہ سے وسیلہ جائز ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ (جو تمام مخلوقات سے افضل اور اعلیٰ ہیں) کی ذات سے وسیلہ کو چھوڑ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ (جو فضیلت میں نبی کریم ﷺ سے کئی گنا کم ہیں) کی ذات سے وسیلہ تلاش نہ کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ کی دعا کا وسیلہ ان کی زندگی میں تھا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کرتا تھا، جیسا کہ اعرابی کے واقعہ میں ماقبل گزر چکا ہے۔

(۲) انسان طبعاً جس وقت اس کو سخت حاجت پیش آئی ہے کسی بڑے وسیلہ (جو اس کو مقصود تک پہنچا دے) کو تلاش کرتا ہے۔

اگر ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا وسیلہ ان کی موت کے بعد کیسے چھوڑتے؟ حالانکہ وہ خشک سالی اور قحط کی حالت میں تھے، یہاں تک کہ اس سال کا نام قحط اور خشک سالی کا سال رکھا گیا۔

(۳) حدیث کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ کی دعا کے وسیلہ سے کئی مرتبہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے بارش طلب کی کیوں کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی لوگوں سے بارش رک جاتی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے۔

اگر یہ بات حاصل ہو جائے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ فضیلت والی ذات کے ہوتے ہوئے کم فضیلت والے کی طرف رجوع کیا ہے (جیسا کہ مخالفین کا خیال ہے) تو یہ بات صرف ایک ہی دفعہ حاصل ہوتی دوسری دفعہ تو ایسا نہ ہوتا بلکہ دوسری یا تیسری دفعہ تو زیادہ فضیلت رکھنے والی ذات کا وسیلہ ڈھونڈتے۔

(۴) قرآن و سنت کی مخالفت کرنے والے ہمارے ساتھ اتنی بات میں تو متفق ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول ﴿کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا﴾ اور اسی طرح ﴿کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا﴾ میں مضاف مقدر ہے۔ مخالفین ﴿بِجَاهِ نَبِيِّنَا﴾ اور ﴿بِجَاهِ عَمِّ نَبِيِّنَا﴾ مضاف مقدر نکالتے ہیں اور ہم ﴿بِدَعَاءِ نَبِيِّنَا﴾ اور ﴿بِدَعَاءِ عَمِّ نَبِيِّنَا﴾ مضاف مقدر نکالتے ہیں۔

مضاف مقدر کی تعیین میں مرجع سنت اور واقعہ سیاق و سباق ہے۔ اب ہم غور و فکر اور تدبر کرتے ہیں کہ یہاں پر مضاف جاہ (ذات) ہے یا دعا ہے۔

آپ ہمارے ساتھ آئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے گھروں میں نہیں بیٹھے اور گھروں میں بیٹھ کر انہوں نے یوں کہا ہو کہ ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے چچا کے ذریعہ آپ کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام عید گاہ کی طرف تشریف لائے اور اپنے ساتھ سیدنا عباس کو لائے اور ان سے اپنے لئے دعا کروائی۔ اب اس سے واضح اور روشن ہو گیا کہ یہاں مقام (دعا کا مقام ہے) اگر مقام ذات اور جاہ کے وسیلہ کا مقام ہوتا تو صحابہ کرام کے یہ زیادہ لائق ہوتا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ کر نبی کریم ﷺ کی ذات اور جاہ سے وسیلہ پکڑتے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی ذات اور جاہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے متغیر نہیں ہوئی۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ صحابہ کرام جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اس حالت میں ہو چکے ہیں جو اس حالت سے مختلف ہے۔ جس پر وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے پہلے تھے۔

اس لئے کہ جب نبی کریم ﷺ صحابہ کرام میں موجود ہوتے تو صحابہ کرام آپ کی خدمت اقدس میں تشریف لاتے اور آپ سے دعا کرتے تھے۔

اب نبی کریم ﷺ اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی میں ہیں، جس کی کیفیت ماسوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور برزخی زندگی دنیا کی زندگی اور احوال سے بالکل مختلف ہے۔

(۵) اسی طرح کا عمل بعض دوسرے صحابہ کرام کی طرف سے بھی ثابت شدہ ہے، جیسا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا یزید بن اسود کی دعا کے وسیلہ سے بارش طلب کی۔

اور اسی طرح کا عمل سیدنا ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

یہ سب اولہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کا وسیلہ آپ کی وفات کے بعد تلاش نہیں کیا بلکہ وہ تونیک، صالح، زندہ اور دعا پر قادر شخص کو تلاش کرتے تھے اور اس سے اپنے لئے دعا کرواتے تھے۔

اگرذات اور جاہ کا وسیلہ مشروع اور جائز ہوتا تو صحابہ کرام اس کی طرف سب سے آگے بڑھتے اس لئے کہ وہ تو ہر چھوٹی و بڑی نیکی میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کرنے میں حریص ہوتے تھے۔ اگر یہ بات وارد اور طے شدہ ہوتی تو وہ اس کو ہماری طرف منتقل کر دیتے۔

حدیث ثانی:

جس کو امام احمد، امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک نابینا نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی اے اللہ کے رسول آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے عافیت فرمائے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ صبر کریں اور یہ صبر کرنا آپ کے لئے بہتر ہے۔ تو اس نابینا نے عرض کی کہ آپ میرے لئے دعا فرمادیں، تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ تم اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا مانگو:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ فَتَقْضِ لِي اللَّهُمَّ فَشَفِّعْنِي وَشَفِّعْنِي فِيهِ﴾

ترجمہ: (اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی طرف آپ کے نبی محمد ﷺ رحمت والے نبی (کی دعا) کے واسطے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول میں آپ کی دعا کے واسطے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں پس میرے لئے میری حاجت کو پورا کیا جائے اے اللہ میرے بارے میں نبی کریم ﷺ کی سفارش قبول فرما اور میری اس کے بارے میں سفارش قبول فرما)۔

سیدنا عثمان بن حنیف فرماتے ہیں کہ اس نابینا نے اسی طرح کیا تو وہ تندرست

ہو گیا۔ (ترمذی ج ۲/۲۱۸-۲۸۲، مسند احمد ج ۲/۱۳۸، ابن ماجہ ج ۱/۲۱۸)

ذات اور جاہ کے ذریعہ وسیلہ کا جواز تلاش کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ حدیث ان کے لئے نبی کریم ﷺ یا آپ ﷺ کے علاوہ صالحین کی ذات اور جاہ کے ذریعہ وسیلہ کے جواز پر دلیل ہے۔ چنانچہ نابینا نے نبی کریم ﷺ کا وسیلہ تلاش کیا تو اس کی آنکھیں صحیح اور تندرست ہو گئیں اور وہ دیکھنے کے قابل ہو گیا۔

در حقیقت ان کا یہ استدلال باطل ہے بلکہ یہ حدیث تو مشروع وسیلہ کی قسموں میں سے تیسری قسم ہے اور وہ نیک اور زندہ آدمی کی دعا کا وسیلہ ہے۔ اور عین ممکن ہے کہ ان کا یہ استدلال اسی حدیث کی رو سے ٹوٹ جائے اور بفضلہ تعالیٰ ٹوٹ رہا ہے توجہ کیجئے۔

(۱) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نابینا اپنے لئے دعا کروانے کی غرض سے حاضر ہوا تھا اور یہ اس کے اس قول ﴿ادع اللہ ان یعافینی﴾ یعنی میرے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کریں سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی دعا کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کیا تھا۔ کیوں کہ وہ نابینا جانتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی دعا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے۔ بخلاف کسی دوسرے آدمی کے۔

اگر نبی کریم ﷺ کی ذات اور جاہ کا وسیلہ جائز ہو تو وہ نابینا اپنے گھر میں بیٹھ کر وسیلہ تلاش کرتا، لیکن وہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ سے دعا کی مطالبہ کیا۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے اس سے دعا کا وعدہ کیا اور ساتھ ساتھ اس کو نصیحت بھی کی جو اس کے لئے بہتر اور افضل تھی اور وہ نصیحت یہ تھی:

﴿ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خير لك﴾

ترجمہ: (اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو صبر کریں اور یہ آپ کے لئے بہتر ہے)

(۳) نابینا نے دعا پر اصرار کیا اور یہ اس کے اس قول ادعہ (یعنی آپ دعا کر دیں) سے پتہ چلتا ہے یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے دعا کی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ وعدہ وفا تھے، اس لئے کہ آپ نے اس سے دعا کا وعدہ کیا تھا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے اس کی بہترین طریقہ کی طرف راہنمائی کی اور وہ نیک عمل اور دعا کو جمع کرنا ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ وضو کرے اور نماز پڑھے پھر دعا مانگے۔

(۵) اس دعا میں جو نبی کریم ﷺ نے اسے سکھائی ﴿اللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِي﴾ کے الفاظ ہیں یعنی وہ یہ کہے کہ اللہ میرے بارے میں نبی کریم ﷺ کی سفارش قبول فرما۔

(۶) نبی کریم ﷺ نے نابینا کو سکھایا کہ وہ ﴿وَشَفِّعْنِي فِيْهِ﴾ کہے یعنی میری دعا کو اس نابینا کے بارے میں قبول فرما، اس کی آنکھیں تندرست ہو جائیں۔

اس جملہ کے علاوہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس سے کوئی دوسرا اور جملہ (معنی) سمجھا جائے۔ لہذا ہم مخالفین کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس جملہ (معنی) سے منہ موڑتے ہیں اور اس کو اپنی کتابوں میں نہیں لاتے اس لئے کہ ان کو معلوم ہے کہ یہ جملہ ان کے فاسد قول کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔

(۷) اس حدیث کو علما کرام نے نبی کریم ﷺ کے معجزات اور آپ کی مقبول دعاؤں میں شمار کیا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے مختلف بیماریوں سے نجات کو ظاہر کیا۔ اس نابینا کی آنکھوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے تندرست کیا۔ اسی لئے تو مصنفین نے اس حدیث کو دلائل النبوة میں روایت کیا ہے، جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ نے۔

یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ نابینا کی شفاء میں راز نبی کریم ﷺ کی دعا ہی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر بالفرض محال راز اکیلے نابینا کی دعا میں ہوتا نہ کہ نبی کریم ﷺ کی دعا میں تو پھر ہر ایک نابینا خالص اللہ تبارک و تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتا تو اسے شفاء ہو جانی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ پتہ نہیں کہ روزانہ کتنے نابینے اپنے اپنے لئے دعا کرتے ہوں گے اور وہ سب اسی حالت میں ہوں بلکہ ان میں سے کسی ایک کو شفاء ہوئی چاہئے۔

نابینا کی حدیث سے مخالفین کے استدلال کے ٹوٹنے کے درمیان ہمارے لئے واضح اور روشن ہو گیا ہے کہ حدیث کے شروع سے لے کر آخر تک دعا اور عمل

صالح کا مقام (ذکر) ہے۔ جس کے ذریعہ دعا کرنے والا کھڑا ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ دعائوت کے معجزات میں سے ہو جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

دوسرا شبہ:

وہ ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں جن کے ذریعہ مخالفین نے ذات کے وسیلہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ ان احادیث کے رد ہونے میں ان کا ضعیف اور موضوع ہونا ہی کافی ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے ضعف کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

(۱) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ﴾

(مسند احمد ج ۳/۲۱، ابن ماجہ فی المساجد ۱۴/۱، مجمع الزوائد ج ۱۰/۱۱۷)

ترجمہ: (اے اللہ میں سائلین کے آپ پر حق کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں)

یہ حدیث ضعیف ہے، کیوں کہ اس حدیث کو عطیہ عوفی نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور عطیہ عوفی ضعیف راوی ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے الاذکار میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے القاعدۃ الجلیدہ میں، اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں بلکہ ذہبی نے الضعفاء

ج ۱، ص ۸۸ میں کہا ہے کہ عطیہ عوفی کے ضعیف ہونے پر علماء نے اجماع کیا ہے۔ اور علامہ بیہقی نے مجمع الزوائد کی کئی جگہوں میں اس کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) وہ حدیث ہے جس کی امام حاکم رحمہ اللہ نے سیدنا عمر بن خطاب سے مرفوعاً تخریج کی ہے:

﴿لما اترف آدم الخطيئة قال: يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لي، فقال: يا آدم، وكيف عرفت محمد ولم أخلقك؟ قال: يا رب، لأنك لما خلقتني بيدك ونفخت في من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوباً لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلبت أنك لم تضيف إلي اسمك إلا أحب الخلق إليك، فقال:

غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك﴾ (مستدرک حاکم ج ۲/۶۱۵)
ترجمہ: (جب سیدنا آدم علیہ السلام نے غلطی کا اعتراف کیا تو عرض کی اے میرے رب! میں آپ سے محمد ﷺ کی ذات کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے بخش دیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے محمد ﷺ کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے اس کو پیدا بھی نہیں کیا؟ تو سیدنا آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور آپ نے مجھ میں اپنی روح پھونکی تو جب میں نے اپنا سراٹھایا تو میں نے آپ کے عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، تو میں نے جان لیا کہ آپ نے

اپنے نام کی طرف اسی کو منسوب کیا ہے جو تمام مخلوق میں آپ کو محبوب ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو بخش دیا اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔

یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے امام حاکم رحمہ اللہ کا تعاقب کیا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے، اس میں عبدالرحمن ضعیف راوی ہے اور عبد اللہ بن اسلم الفہری کو میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں عبد اللہ بن مسلم بن رشید ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر جرح کی ہے، ابن حبان فرماتے ہیں کہ اس پر حدیثوں کے گھڑنے کی تہمت لگی ہوئی ہے، لیث اور مالک رحمہما اللہ پر حدیثیں گھڑتا تھا۔

ابن لہیعہ کے بارے میں ہے کہ اس کی حدیث کو لکھنا جائز نہیں ہے۔

(۳) ﴿توسلوا بجاہی فان جاہی عند اللہ عظیم﴾

(القاعدة الجلیلة ص ۱۳۰، ۱۵۰، والتوسل ص ۱۱۵)

ترجمہ: (نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میری ذات اور جاہ کا وسیلہ تلاش کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں میری ذات اور جاہ بہت بڑی ہے)

یہ حدیث بھی موضوع ہے، بلکہ اس کی اصل حدیث کی کسی بھی کتاب سے نہیں ملتی۔ بلکہ یہ حدیث بدعتیوں اور قبر پرستوں کی بعض کتابوں میں پائی جاتی

ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات اور جاہ بہت بڑی ہے بلکہ آپ ﷺ تو تمام مخلوق سے افضل اور اعلیٰ ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿اناسید ولد آدم ولا فخر﴾ (المناقب ج ۵/۵۸۷، سنن ترمذی، وابن ماجہ فی الزہد ۳۷۰/۲ اور مسند احمد ج ۱/۲۸۵)
ترجمہ: (میں جناب آدم کی اولاد کا سردار ہوں اس میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے)

اس کے باوجود ہمارے لئے اس قسم کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ چونکہ اس حدیث کا بطلان واضح ہو چکا ہے۔ یہاں پر دوسری اور بھی موضوع اور ضعیف روایات ہیں جن کو قبر پرست اپنے باطل اور جھوٹے مذہب کی تائید کے لئے لائے ہیں، ہم ان میں طویل بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیوں کہ یہ تمام احادیث نفس اسی معنی کے ارد گرد گھومتی ہیں جس کو میں نے پہلی والی احادیث میں ذکر کیا ہے۔ اب ثابت اور واضح ہو چکا ہے کہ ذات اور جاہ کے وسیلہ کے بارے میں کوئی ایک بھی قابل اعتماد حدیث نہیں ہے۔

(۸) قبروں کی زیارت کا حکم

بے شک قبروں کی زیارت کرنا مشروع اور جائز ہے، لیکن اس طرح نہیں جس طرح آج لوگ کرتے ہیں۔ قبروں پر مردوں کے لئے جانا جائز ہے مگر عورتوں کو اجازت نہیں ہے۔
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها فانها تذكر

الآخرة﴾ (ترمذی فی الجنائز ج ۳/۳۶۱)

ترجمہ: (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، تو سن لو! اب تم ان کی زیارت کیا کرو کیوں کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں)

حدیث میں لفظ ”فزوروها“ (یعنی تم ان کی زیارت کر لیا کرو) عام ہے، مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے۔ یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے صرف مردوں کے خاص ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لعن الله زوارات القبور من النساء﴾

(ترمذی فی الجنائز ج ۳/۶۲ وابن ماجہ ج ۱/۵۰۲ ومسند احمد ج ۲/۳۳-۳۵۶)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کرے)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبروں پر جانا صرف مردوں کے لئے مستحب ہے نہ کہ عورتوں کے لئے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو جنازے کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا۔ بات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں قبروں کی زیارت کی اجازت میں داخل نہیں ہیں۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”فزو روھا“ مذکر کے صیغہ کا استعمال کیا اور یہ عورتوں کو علی سمیل التغلیب شامل ہے۔ اسی بنا پر عورتیں بطریق عموم ضعیف کے داخل ہوں گے جمہور علماء کے ہاں عام خاص کی دلیلوں کے مخالف نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ان دلیلوں کو نسخ کرتا ہے اگر عورتیں اس خطاب میں داخل ہوتی تو ان کے لئے بھی قبروں کی زیارت مستحب ہوتی۔ حالانکہ ہم کسی امام کو نہیں جانتے جس نے ان کے لئے قبروں کی زیارت کو مستحب سمجھا ہو اور نہ ہی نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں عورتیں قبروں کی زیارت کے لئے نکلتی تھیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے مردوں کو اجازت دینے کی علت بیان فرمائی کہ قبروں کو دیکھ کر موت یاد آتی ہے۔ دل نرم ہوتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ اسی طرح کی روایت مسند احمد میں بھی ہے یہ بات معلوم ہے کہ اگر عورت کو اجازت دی جائے تو اس میں صبر کم ہونے کی وجہ سے جزع، فزع اور رونائیں زیادہ کرتی ہے۔ ماقبل ذکر ہو چکا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے کا مقصد موت کو

یاد کرنا، میت کو سلام کرنا اور اس کے لئے دعا کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہم قبروں پر جا کر کیا پڑھیں۔
جب ہم قبروں پر جائیں تو یہ دعا پڑھیں:

﴿السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ يَرْحَمُ اللَّهُ
الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَاحِقُونَ﴾

(مسلم ج ۲/۲۶۹-۲۷۱، ومسند احمد ج ۶/۲۲۱)

ترجمہ: (تم پر سلامتی ہو اے اس گھر والو مومنو اور مسلمانو اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو بعد میں آئیں گے، اور بے شک ہم اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تم سے ملنے والے ہیں)

یا اس طرح کی اور دعا پڑھنی چاہئے جو قرآن و سنت میں وارد ہے۔ لوگوں کی اکثریت حدیث کے بالکل خلاف کر رہی ہے۔ یہ وہاں جاتے ہیں اور ان کے لئے دعا کرنے کی بجائے اپنے لئے دعا کرتے ہیں اور قبروں کو ہاتھ لگاتے ہیں چومتے اور چاٹتے ہیں اور ان کی طرف متوجہ ہو کر برکت حاصل کرنے اور خیر طلب یا مصائب کے دور کرنے کی امیدیں وابستہ کرتے ہیں۔

یہ سب مشرکانہ حرکات اور بدعت افعال ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان حرکات اور افعال پر تنبیہ کی ہے۔ کیوں کہ کبھی کبھار ایسا کرنے سے انسان شرک اکبر میں واقع ہو جاتا ہے۔ خصوصاً قبر والے مردے سے یہ اعتقاد رکھ لے کہ یہ

مردہ سنتا ہے اور دعا کو قبول کرتا ہے یا غیب جانتا ہے یا مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔
اب ان باتوں (کرتوتوں) پر تنبیہ کرنا واجب ہے، اگرچہ قبروں کی زیارت کرنا
مردوں کے لئے مستحب ہے، لیکن زیارت کرنے کے لئے مستقل سفر کرنا جائز
نہیں ہے۔ مگر یہ کہ کوئی مسلمان اپنے شہر کے قبرستان پر جائے کیوں کہ یہ سفر
میں شمار نہیں ہوتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَشْدُ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَمَسْجِدِي هَذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى﴾

(بخاری فی الصلوٰۃ ج ۳/۲۳ و مسلم فی الحج ج ۲/۹۷)

ترجمہ: (سفر یا زیارت تین مسجدوں کے علاوہ نہیں کیا جائے گا مسجد حرام
اور میری یہ مسجد یعنی مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ)

اب بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم کی جارہی ہے اور ان کو اونچا کر
کے اوپر قبے بنائے جارہے ہیں، اور ان کو سجدے کئے جارہے ہیں باوجود اس کے
کہ کئی احادیث نبویہ ان چیزوں کی نہی میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ
کچھ احادیث یہاں ذکر کریں گے۔

(۱) بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی مرض وفات میں تھے تو وہ اپنی چادر مبارک کو اپنے چہرہ مبارک سے ہٹا رہے تھے، پس جب آپ اس سے مغموم ہوتے تو اسے ہٹا دیتے اور آپ نے اسی حالت میں فرمایا:

﴿لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ

مَسَاجِدَ﴾ (بخاری فی الانبیاء ج ۶/۲۹۳)

ترجمہ: (یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنایا)

(۲) امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا جنید بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی وفات سے پانچ دن پہلے یہ کہتے ہوئے سنا:

﴿أَلَا! إِنَّ مِنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ مَسَاجِدَ فَإِنِ انْهَاكُم

عَنْ ذَلِكَ﴾ (مسلم فی المساجد ج ۱/۳۷۷-۳۷۸)

ترجمہ: (سن لو! تم سے پہلے والے لوگوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، بالیقین میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں)

(۳) امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سند سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

﴿إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءُ وَالَّذِينَ

يَتَخَذُونَ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ﴾ (مسند احمد ج ۱/۴۳۵)

ترجمہ: (بالیقین بدتر وہ لوگ ہوں گے جن کو قیامت پائے گی اور وہ زندہ ہوں گے اور وہ قبروں کو سجدہ گاہیں بنا رہے ہوں گے)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی قبروں کے متعلق نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ کے امر اور نہی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عمل کے متعلق اور موجودہ زمانہ کے لوگوں کی اکثریت کے متعلق غور و فکر کرے گا تو وہ ایک دوسرے کے مخالف اور جدا پائے گا۔ نبی کریم ﷺ کی سنت اور آج کے لوگوں کے عمل دونوں ایک ساتھ کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے وہ کیسے؟ آپ ذرا توجہ کریں۔

نبی کریم ﷺ نے قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور یہ لوگ قبروں کے پاس کھڑے ہو کر اور ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور وہاں میلہ لگاتے ہیں اور قبروں کا طواف کرتے ہیں۔ بیت اللہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے قبروں پر چراغ جلانے سے منع کیا ہے، اور آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں جو جمعرات کو قبروں پر جا کر چراغاں کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے قبروں پر میلہ لگانے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ بڑھ چڑھ کر بڑی بے باکی کے ساتھ میلہ لگاتے ہیں اور وہاں اس طرح جمع ہوتے ہیں جس طرح مسلمان عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے قبروں کو زمین کے ساتھ برابر کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو الہیاج الاسدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا:

﴿إِذَا ابْعَثْتُ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا تَدْعُ

تَبَالًا إِلَّا طَبْسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مَشْفَاً إِلَّا سَوِيَّتَهُ﴾

(مسلم فی الجنائز ۹۳/۲ و ابوداؤد فی الجنائز ج ۳/۵۸ و ترمذی ج ۳/۵۷)

ترجمہ: (کیا میں آپ کو اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر مجھے رسول اللہ

ﷺ نے بھیجا تھا؟ کہ آپ کسی تصویر کو نہ چھوڑیں مگر اسے مٹا دیں اور

اونچی قبر دیکھیں تو اسے زمین کے برابر کر دیں)

مسلم شریف میں سیدنا ثمامہ بن شفی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا فضالہ ابن عبید کے ساتھ ملک روم میں بردوس نامی جگہ میں تھے تو ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا۔ (تو ہم نے جنازہ پڑھ کر اسے دفن دیا) تو سیدنا فضالہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر کو زمین کے ساتھ برابر کرنے کا حکم دیا، پھر فرمایا کہ:

﴿سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ يَا مَرْيَمُ تَسْوِيتُهَا﴾

(مسلم فی الجنائز ج ۳/۲۶۶)

ترجمہ: (میں نے نبی کریم ﷺ سے قبر کو زمین کے ساتھ برابر کرنے کا حکم سنا)

موجودہ زمانے کے قبر پرست ان احادیث صحیحہ کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کر رہے ہیں، اور قبروں کو گھروں کی طرح خوب اونچا کرتے ہیں اور ان پر قبے بناتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

﴿نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ تَجْصِيسِ الْقُبُورِ وَأَنْ يَقْعَدَ عَلَيْهِ

وَأَنْ يَبْنِيَ عَلَيْهِ وَنَهَى عَنِ الْكِتَابِ عَلَيْهَا﴾ (مسلم ج ۲/۲۶۷)

ترجمہ: (نبی کریم ﷺ نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے اور اس پر کتے لکھ کر لگانے سے بھی منع فرمایا ہے)

اسی طرح روایت امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہے، امام ابو داؤد سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

﴿أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ تَجْصِيسِ الْقُبُورِ وَأَنْ

يَكْتَبَ عَلَيْهَا﴾

ترجمہ: (کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر چونا لگانے اور لکھنے سے منع فرمایا ہے)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (ترمذی فی الجنازہ ج ۳/۳۵۹)

یہ لوگ قبروں پر کتبے لگاتے ہیں اور ان پر قرآن کریم کی آیات وغیرہا لکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے قبر پر ماسوائے مٹی کے اور کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع کیا۔

جیسا کہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

﴿ان رسول اللہ ﷺ نہی ان یجصص القبرا ویکتب علیہ او

یزاد علیہ﴾ (ابوداؤد ج ۳/۵۵۳)

ترجمہ: (کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر پر چونا لگانے اور اس پر کتبے لکھ کر لگانے اور اس پر (ماسوائے مٹی کے) اور کسی قسم کی زیادتی کرنے سے منع فرمایا ہے)

یہ لوگ قبروں پر خوب زیادتی کرتے ہیں، پکی اینٹیں، چونا اور پتھر لگاتے ہیں۔ سیدنا ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی قبروں پر پکی اینٹیں لگانے کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔

(قارئین کرام آپ نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کی کس قدر مخالفت ہو رہی ہے، نبی کریم ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُوْمِنِينَ نُؤَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾
(النساء: ۱۱۴)

ترجمہ: (اور جو کوئی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرے گا تو ہم اس کی مرضی کے موافق پھیر دیں گے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے) (مترجم)

(۹) زندہ انسان کے عمل سے میت کو فائدہ پہنچنے کا حکم

اہل سنت و جماعت نے اتفاق کیا ہے کہ مردوں کو دو وجوہوں سے زندہ انسان کے نیک عمل سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(۱) وہ عمل خیر جس میں میت اپنی زندگی میں سبب اور ذریعہ بنا ہو، مثلاً کوئی کنواں وغیرہ وقف کر دیا، یا اس نے وصیت کی کہ میرے مال سے مسجد بنوادیں یا اس نے کوئی اور صدقہ جاریہ کیا ہو۔ اس سے میت کو ثواب پہنچتا ہے۔

(۲) مسلمان اس میت کے لئے دعا اور استغفار کریں۔ مثلاً میت کی طرف سے صدقہ کریں یا حج کریں یا روزہ رکھیں اور ان اعمال کے ثواب پہنچنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کریں۔

پہلی صورت کی دلیل:

امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿اذا مات ابن آدم انقطع عنه عمله الا من ثلاث۔ صدقة جاریة او ولد صالح يدعوه او علم ينتفع به﴾

(مسلم فی الوصیة ج ۳/۱۲۵۵ وابوداؤد ج ۳/۳۰۰ وترمذی ج ۳/۲۵۱)

ترجمہ: (جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس سے اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں میں ختم نہیں ہوتا (۱) صدقہ جاریہ، (۲) یا اس نے نیک لڑکا چھوڑا ہو جو اس کے لئے دعا کرتا رہا ہو، (۳) یا اس نے علم چھوڑا ہو جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا رہا ہو)

دوسری صورت کی دلیل:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر: ۱۰)
 ترجمہ: (اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ اور دشمنی نہ ڈال، اے ہمارے رب تو شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ میت کو دفن کر فارغ ہو جاتے اور اس کی قبر پر ٹھہر جاتے تو فرماتے:

﴿استغفروا لأخیکم واسئلواہ التثبیت فانہ الآن یسأل﴾
 (ابوداؤد فی الجنائز ج ۳/۵۵۰)
 ترجمہ: (اپنے بھائی کے لئے بخشش کی دعا کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو اس لئے کہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے)

اس پر وہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ قبروں پر جا کر کون سے دعا پڑھنی چاہئے۔

میت کو صدقہ کے ثواب پہنچنے کی دلیل بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ کی پاس ایک آدمی آیا تو اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول! میری والدہ وفات پا گئی ہے اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں

کی اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو وہ صدقہ کرنے کے بارے میں وصیت کرتی۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں تو کیا ان کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا (نعم) ہاں پہنچ جائے گا۔

(بخاری فی الجنائز ج ۳/۲۵۴، والوصایا ج ۵/۳۸۸)

میت کو روزے کے ثواب پہنچنے کی دلیل

امام بخاری رحمہ اللہ و امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيَهُ﴾

(بخاری فی الصوم ج ۳/۱۹۲ و مسلم ج ۲/۸۰۳)

ترجمہ: (جو مر گیا اور اس کے ذمے روزے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے)

صحیح قول کے مطابق نذر اور قضا کے روزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

میت کو حج کا ثواب پہنچنے کی دلیل

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس قبیلہ جہنیہ کی ایک عورت آئی تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، تو انہوں نے حج ادا نہیں

کیا حتیٰ کہ وہ مر گئیں۔ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا:

﴿حجی عنہا، أرأیت لو کان علی أَمَلٍ دین ، أکنت قاضیہ؟﴾

اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء ﴿﴾ (بخاری فی الاعتصام ج ۱۳/۲۹۶)

ترجمہ: (تم اس کی طرف سے حج ادا کرو آپ کا کیا خیال ہے اگر آپ کی والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کی طرف سے قرض ادا کرتی؟ تم اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ وفا کا زیادہ حق دار ہے)

اس حدیث کی رو سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حج کے بارے میں مشروع یہی ہے کہ جب آدمی مر جائے اور اس پر حج فرض تھا مگر اس نے حج ادا نہیں کیا تو قریب قریب کی طرف سے حج کرے، یا آدمی حج کرنے سے عاجز آجائے تو وہ دوسرے کو اپنی طرف سے بھیج دے۔ بشرطیکہ اس قریبی نے اپنی طرف سے پہلے حج کیا ہو۔

اب حج کے باب میں وسعت کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ حج کرنے پر اجرت وصول کرنا اگرچہ بعض فقہانے اس کی اجازت دی ہے مگر اس پر کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی۔ مناسب یہی ہے کہ اس پر اکتفا کیا جائے۔

اور جس پر کوئی دلیل وارد ہوئی ہے وہ قریب کی قریب سے حج ادا کرنا ہے۔ ما قبل کی دلیلوں سے چار امور ظاہر اور واضح ہوئے ہیں۔

(۱) دعا، (۲) صدقہ، (۳) روزہ، (۴) حج

ان پر وارد ہونے والی دلیلوں کو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ جو ان کے علاوہ عبادتیں ہیں ان کا میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں جیسے کہ نماز، قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر و اذکار۔ ان کے ثواب پہنچنے پر قرآن و حدیث کی کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی۔

ان عبادتوں کے ثواب کے قائلین کے پاس بھی کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جائے ان کے پاس صرف قیاس ہے۔ یہ لوگ نماز، قرآن کریم اور ذکر کو صدقہ، حج اور دعا پر قیاس کرتے ہیں۔

ہم نے ماقبل اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تمام عبادتیں توقیفی ہیں ان میں قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

قرأت قرآن کریم پر اجرت لینے کی حرمت پر علماء نے اجماع کیا ہے۔ اور سلف صالحین میں سے اس کا کوئی بھی قائل نہیں تھا، اور نہ ہی معتبر ائمہ دین رحمہم اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ بعض متأخرین جاہل مولوی لوگوں کے اموال کو لوٹنے اور حرام کھانے کی غرض سے ایسا کرتے ہیں اور یہ نبی کریم ﷺ کی حد بندی کے پاس نہیں ٹھہرتے۔

بلکہ مردوں پر قرآن کریم پڑھنے والے مولویوں نے تو اپنے اپنے دفتر کھول رکھے ہیں، تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اور اپنے مردوں پر قرآن کریم پڑھوائیں اور

ان سے یہ بد بخت اجرت وصول کریں۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لوگ اجرت کی حد بندی میں سودے بازی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں پھر مردے کے پاس جلسے منعقد کرتے ہیں اور قرآن خوانی اور ولیموں کے ذریعہ مردوں کو تازہ دم کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ قبیح حرکت مرنے کے سات دن بعد کرتے ہیں اور پھر چالیس دن بعد پھر سال بعد اور پھر ہر سال بعد مستقل طور پر اس مردے کا دن منایا جاتا ہے۔ (مردے کے گھر میں قرآن خوانی ہوتی ہے۔ محفلیں لگتی ہیں، دیگیں چڑھائی جاتی ہیں اور یہ قرآن و سنت اور دین محمدی کے ساتھ مکرو فریب کرنے والے مولوی اور حافظ خوب اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں۔ اگر کوئی متبع سنت ان سے کہہ دے کہ جناب یہ امور جو تم کر رہے ہو سب بدعت ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی تو یہ اسے کہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ تم وہابی ہو۔

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ ذوالجلال نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (توبہ: ۳۳)

ترجمہ: (اے ایمان والو! بے شک بہت زیادہ مولوی اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے (لوگوں کو) روکتے

ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں پھر اس کو اللہ کے راستے
(زکوٰۃ) میں خرچ نہیں کرتے (اے میرے رسول) ان دونوں
گروہوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو)

قارئین کرام آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ مولوی کیسے کیسے حیلوں اور بہانوں
سے لوگوں کا مال ہڑپ کر رہے ہیں: مترجم)

ما قبل جتنی رسومات کا ذکر ہوا ہے، سب بدعتیں ہیں اس سے میت کو کچھ بھی
فائدہ نہیں پہنچے گا (ہاں مولویوں کو خوب فائدہ حاصل ہوگا) اور جو اس پر اجرت
وصول کی جاتی ہے حرام ہے۔

بالخصوص اگر میت اپنا مال اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں میں چھوڑ گیا ہو تو پھر
اس اجرت کی حرمت اور زیادہ سخت ہوتی ہے اس لئے کہ مولوی اور قرآن پڑھنے
والے جھوٹ بول کر بچوں کا مال کھا رہے ہیں۔

بات کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز اور قرأت قرآن کریم میں کسی کی نیابت ثابت
نہیں ہے، جیسا کہ قرأت قرآن کریم پر اجرت لینا حرام ہے چاہے اجرت روپے کی
صورت میں ہو یا کھانا کھانے کی صورت میں ہو۔ چاہے قرأت قرآن کریم میت
کے گھر میں ہو یا اس کی قبر کے پاس ہو، یا کسی دوسری جگہ ہو۔

اسی طرح کے اعمال چہ جائے کہ بدعت ہوں بلکہ یہ تو سنت رسول اللہ
ﷺ کے بھی خلاف ہیں۔

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے میت والوں کے پڑوسیوں کو ان کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے۔ جس وقت سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد اتاهم ما يشغلهم﴾

(مسند احمد ج ۱/۲۰۵ و ترمذی ج ۳/۳۱۲ و ابن ماجہ ج ۱/۵۱۴)

ترجمہ: (تم جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانے کا بندوبست کرو ان کو مشغول کرنے والی چیز پہنچ چکی ہے)

آج مسلمانوں کی اکثریت اس سنت کی بھرپور خلاف ورزی کر رہی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ میت والوں کو کھانا کھلاتے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ میت والوں کے گھر جمع ہوتے ہیں اور خوب پیٹ بھر کر ان کا کھانا کھاتے ہیں۔

مسلمانوں پر واجب اور لازم ہے کہ وہ اس زمانہ جاہلیت والی رسم و رواج سے دور رہیں اور سنت مطہرہ کی پیروی کریں بالیقین دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی کے لئے یہی راستہ ہے۔

(۱۰) نبوت اور رسالت

علماء کرام نے نبی اور رسول کے درمیان فرق میں چند اقوال ذکر کئے ہیں۔ انہی اقوال میں غور و فکر کرنے سے سب سے اچھا اور اعلیٰ ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول پاتے ہیں، جس کو انہوں نے کتاب النبوات میں ذکر کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ نبی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس سے پہلے والے نبی کی شریعت پر عمل کرنے کی خبر دے اور کفار کی طرف اس کو تبلیغ کے لئے نہ بھیجا ہو اور کبھی کبھار اس کی طرف خاص معین واقعہ میں خاص وحی آتی ہو۔ پس انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے کہ وہ کیا کریں اور مومنین کو کس بات کا حکم دیں۔

رسول وہ ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دے پھر اس کو کفار کو تبلیغ کرنے کا حکم دے جیسے، سیدنا نوح علیہ السلام۔

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام سب سے پہلے اہل زمین کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور ان سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام تھے جیسے سیدنا شیت اور سیدنا ادریس علیہما السلام۔ (انبیاء ص ۱۷۲/۱۷۳)

رسول اور نبی نفس امت میں سے بشر ہوتے ہیں ان پر بھی وہی احوال جاری ہوتے ہیں جو تمام بشر پر جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً موت و حیات، اور ان کو بھی کھانے پینے، سونے جاگنے، راحت و آرام، نکاح و شادی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح دوسرے انسان ان چیزوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وحی عطا کرنے اور تبلیغ رسالت کے ذریعے تمام انسانوں سے ممتاز کیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنبَاءُ إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ﴾

(الکھف: ۱۱۰)

ترجمہ: (آپ کہہ دیں کہ میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں ہاں میری طرف وحی کی جاتی ہے تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے)

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ
وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ (الباقدر: ۷۵)

ترجمہ: (مسیح ابن مریم سوائے پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں ہیں، اس سے پہلے بھی کئی پیغمبر ہو چکے ہیں اور اس کی ماں ایک ولیہ عورت تھی دونوں ماں، بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے)

تمام امت میں رسولوں کی دعوت ایک ہی رہی ہے اور وہ خالص اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دینا ہے۔ اور توحید کو شرک و بدعت اور معاصی سے خالص کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوری: ۱۳)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کر دی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے سیدنا نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے اور جس کا تاکید حکم ہم نے

ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم کرنا اور
اس میں پھوٹ نہ ڈالنا)

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا
الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ۳۶)

ترجمہ: (اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ لوگو صرف اللہ کی عبادت
کرو اور طاغوت سے بچو) (اور اس کے علاوہ تمام معبودوں سے بچو)

لفظ طاغوت کی وضاحت

طاغوت طغیان سے مشتق ہے اور حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں اور آیت
کریمہ میں اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ذریعہ بندہ اپنی حد سے تجاوز
کرے طاغوت کہلاتی ہے، چاہے آدمی اپنے ایک معبود سے تجاوز کرے یا وہ متنوع
اور مطاع سے تجاوز کرے۔

سیدنا نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں جو اہل ارض کی طرف مبعوث
ہوئے ہیں، جیسا کہ اس پر حدیث الشفاعة دلالت کرتی ہے۔

﴿إِنَّا أَوَّلَ الرُّسُلِ إِلَى الْأَرْضِ﴾ (مسلم ج ۱/۱۸۴)

ترجمہ: (تم سب سے پہلے اہل ارض کی طرف رسول ہو)

اور ان کا آخری اور سب سے افضل رسول ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: (اور لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بناؤہ وترك منه

موضع لبنۃ فطاف به النظر یتعجبون من حسن بنائہ الا

موضع تلك اللبنۃ لا یعیبون سواها فکنت انا سددت موضع

تلك اللبنۃ ختم بی النبیان وختم بی الرسل﴾

(مسلم فی الفضائل ج ۳/ ۷۹۱/ ۲ و مسند احمد ۲/ ۲۵۷)

ترجمہ: (میری اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس محل کی طرح ہے

جس کی عمارت خوبصورت ہو اور اس سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی

ہو دیکھنے والے اس سے تعجب کرتے ہوں ماسوائے اس اینٹ کی جگہ کے

اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں لگاتے، پس میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند

کر دیا ہے اور میری وجہ سے اس عمارت پر مہر لگ گئی اور میری وجہ سے

رسولوں پر مہر لگ گئی)

کیا اللہ تعالیٰ کے رسول غیب جانتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے رسول غیب نہیں جانتے، مگر جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۚ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۚ لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ ۚ﴾
(الجن: ۲۶-۲۷-۲۸)

ترجمہ: (وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ماسوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرے، لیکن اس کے آگے پیچھے پہرے دار مقرر کر دیتا ہے تاکہ ان کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْنَزْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۚ﴾
(الاعراف: ۱۸۸)

ترجمہ: (آپ کہہ دیں کہ میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو، اور اگر میں غیب کی

باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی مضرت مجھ پر واضح نہ ہوتی میں تو محض ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں)

﴿قُلْ لَا أُمِدُّكُمْ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ (الجن: ۲۱)

ترجمہ: (آپ کہہ دیں کہ میں تمہارے لئے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں)

جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ بھی اللہ کے علاوہ غیب جانتے ہیں تو انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا ہے، اور ان کا یہ لچر دعویٰ قرآن و حدیث کی نصوص سے ٹکراتا ہے۔

اکثر لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں غلو کرنے میں مبالغہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام دنیا کی مخلوق نبی کریم ﷺ کے نور سے پیدا کی گئی ہے اور اس پر موضوع، من گھڑت، جن کی حدیث کی کتابوں میں کوئی اصل نہیں ہے، دلیلیں پیش کرتے ہیں اور یہ بھی گمان فاسد کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح وہ اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف منتقل ہونے سے پہلے زندہ تھے۔ اگر یہ بات اسی طرح ہوتی تو ان کے، نبی کریم ﷺ

کے پیچھے نماز کو چھوڑنے اور آپ سے کئی گنا کم مرتبہ والے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے کی کوئی وہاں مقبول وجہ نہ ہوتی۔

جی ہاں انبیاء علیہم السلام کی حیات پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ شہداء کی حیات پر قرآن کریم نے صراحت کی ہے۔ لیکن یہ برزخی حیات ہے، جس کی کیفیت کو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، اور برزخی زندگی کا دنیاوی زندگی پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ من جملہ احادیث میں سے جن کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

﴿ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على الصلوة فيه فان صلاتكم معروضة على قالوا يا رسول وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرميت قال إن الله حرم على الأرض أجساد الأنبياء﴾

(ابوداؤد ج ۲/۸۴ والنسائی فی الجمعة ج ۳/۵۷ وابن ماجہ ج ۱/۳۴۵)

ترجمہ: (بے شک جمعہ کا دن تمہارے دنوں میں افضل ہے، اسی دن میں سیدنا آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن میں انہوں نے وفات پائی اور اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔ پس تم اس دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، تو صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کی اے اللہ کے رسول کیسے ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا؟ آپ تو مٹی ہو چکے

ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسد کو زمین پر حرام کیا ہے)

یہ حدیث آپ ﷺ کی اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔ مگر یہ آپ کی یہ حیات آپ کی وفات سے پہلے والی حیات سے مختلف ہے اور یہ برزخی حیات ہے اور یہ ایک پوشیدہ راز ہے جس کی حقیقت کو ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن یہ واضح اور ثابت شدہ امر ہے کہ برزخی حیات دنیاوی حیات کے بالکل مختلف ہے۔ اور برزخی حیات کو دنیاوی حیات کے قوانین کے تابع نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے کہ دنیا میں انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، سانس لیتا ہے، نکاح و شادی کرتا ہے، حرکت کرتا ہے، اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرتا ہے، بیمار ہوتا ہے اور گفتگو وغیرہ کرتا ہے۔ کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس کو یہ تمام امور پیش آئے ہوں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ان میں سے کوئی ایک چیز ثابت نہیں ہو سکتی۔

یہ بات مسلم اور ثابت شدہ ہے کہ صحابہ کرام آپ کی وفات کے بعد کئی مسائل میں مختلف تھے، اور ان میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ وہ آپ کی قبر کے پاس آئے اور اس

مسئلہ میں مشورہ لے اور اس مسئلہ میں جو بات درست اور صحیح ہو اس کے متعلق سوال کرے۔ یہ ایسا کیوں نہ ہوا؟!!!

بالتیقین یہ معاملہ بہت واضح اور روشن ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ دنیاوی حیات سے منقطع ہو چکے ہیں اور وہ زندگی واپس نہیں لوٹی جس پر دنیاوی احوال اور اس کے قوانین شریعت منطبق ہوں۔ پس رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد برزخی زندگی میں زیادہ کامل طور پر زندہ ہیں بہ نسبت عام انسانوں کے جو برزخ میں زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن خاصی زندگی ہے جو دنیاوی زندگی کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔

اکثر مسلمانوں کی حالت نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو کرنے کی وجہ سے خطرناک مرحلہ تک پہنچ چکی ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نفع اور نقصان کے مالک ہیں اور وہ پکارنے والے کی پکار کا جواب بھی دیتے ہیں، اور یہ کہ ان کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔ مثال کے طور پر تم شاعر کے اس شعر کو دیکھو:

يَا أَكْثَرَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ سِوَاكَ عِنْدَكَ نَزُولُ الْحَادِثِ الْعَمِيمِ

”اے تمام مخلوق سے افضل مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت آپ

کے علاوہ میرے لئے کوئی بھی نہیں ہے جس کی میں پناہ لوں“

وَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَوَّرْتَهَا وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ
 ”اور بے شک دنیا اور آخرت آپ کی سخاوت سے ہے، اور لوح و قلم کا
 علم بھی آپ کے علوم میں سے ہے“

آپ کا کیا خیال ہے، اس شاعر نے اللہ وحدہ لا شریک لہ کے لئے کیا چیز
 چھوڑی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی امید اور مصیبت کے وقت اپنی پناہ کو رسول اللہ
 ﷺ سے وابستہ کر دیا ہے اب یہ برابر ہے کہ اس نے اس سے قیامت کے دن کا
 ارادہ کیا ہو یا کسی اور مصیبت کے وقت کا۔

اس لئے کہ وہ اس دعا سے بھول گیا ہے کہ اکیلا اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہر
 مصیبت میں پناہ گاہ ہے، جیسا کہ اس نے دوسرے شعر میں اعتبار کیا ہے کہ دنیا اور
 آخرت نبی کریم ﷺ کے فضل و کرم سے ہے اور اسی طرح اس نے اس شعر
 میں دعویٰ کیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے علم کو لوح محفوظ میں اور جس پر تمام قلم
 جاری ہوا ہے نبی کریم ﷺ کے علوم سے مدد حاصل کر کے لکھا ہے۔

اس شاعر کے لائق تو یہ تھا کہ وہ اپنے اس قول کا عکس کرتا اور کفر میں واقع
 ہونے سے محفوظ ہو جاتا۔ اب ذرا سوچو! کہ اس طرح کے غلو کا دعویٰ کرنے
 والے کے درمیان اور یہودیوں کے اس قول (عزیر ابن اللہ) کہ سیدنا عزیر علیہ
 السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ کے اس قول (یسوع ابن اللہ) کہ سیدنا عیسیٰ

علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور ان کے اس قول (انہ ثلاث ثلاثہ) کہ وہ تینوں کا تیسرا ہے، کہ درمیان کیا فرق ہے؟؟!

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے غلو کرنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (البائدہ: ۷۷)

ترجمہ: (اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں غلومت کرو)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے بارے میں غلو کرنے سے اپنی امت کو منع کیا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَطْرُونِي كَمَا أَطْرَفَ النَّصَارَى ابْنُ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا

عبد اللہ ورسولہ﴾ (بخاری فی الانبیاء ج ۶/۲۸۷ و مسند احمد ج ۱/۲۳)

ترجمہ: ((اے میری امت کے لوگو) تم میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا، جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا میں بندہ ہوں پس تم مجھے) اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو)

لا تطرونی کا معنی ہے کہ تم میری تعریف کرنے میں مبالغہ نہ کرنا، جیسا کہ اہل کتاب نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تعریف کرنے میں مبالغہ آمیزی کی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اتنا فخر کافی ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور آپ ﷺ سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد کے سردار ہیں، اور شفاعت کرنے والے ہیں، اور آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی، اور آپ

ﷺ حوض کوثر والے ہیں، اور مقام محمود والے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ کئی خصوصیات کے مالک ہیں۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ہو۔

نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کا طریقہ آپ ﷺ کی شان میں غلو اور مبالغہ کرنے میں نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی محبت آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے راستہ کی اتباع اور پیروی کرنے میں ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)
ترجمہ: (آپ ﷺ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری پیروی کرو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۱)

ترجمہ: (یقیناً تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع کرتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے)

(۱۱) چار مسائل جن کا جاننا اور ان پر عمل کرنا

ہر مسلمان پر واجب ہے

- (۱) علم۔ (۲) اس پر عمل کرنا۔ (۳) علم کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔ (۴) علم کے بارے میں تکالیف آنے پر صبر کرنا۔
- ان چار مسائل پر سورۃ العصر میں ترغیب آئی ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش والے بڑے رحم والے کے نام سے شروع۔ زمانے کی قسم۔ بے شک انسان سرتا سر نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور جنہوں نے آپس میں حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمانے کی قسم اٹھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے۔ بخلاف مخلوق کے، ہمارے لئے مخلوق کی قسم اٹھانا جائز نہیں ہے۔ لہذا ہم اللہ تعالیٰ کی یا اس کے اسماء و صفات کی قسم اٹھا سکتے ہیں۔ جواب قسم ”ان الانسان لفی خسر“ ہے۔ الانسان میں الف و لام

استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی تمام انسان خسارے میں ہیں، ماسوائے ان لوگوں کے جو چار صفات کے ساتھ متصف ہیں۔ یہ لوگ اس خسارے سے مستثناء ہیں۔ اور وہ صفات یہ ہیں:

(۱) ایمان: اب ضروری ہے کہ اس ایمان کی بنیاد علم پر ہو۔ اور علم اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء اور صفات کے ذریعے پہچان لینے کا نام ہے۔ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لینے اور دلیلوں سے دین اسلام کو پہچان لینے کا نام ہے، اور اس علم کے مقتضاء پر قولاً، عملاً اور اعتقاداً عمل کرنا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ (محمّد: ۱۹)

ترجمہ: (اے نبی تو یقین کر لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگ)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا انہوں نے عنوان، قول اور عمل سے پہلے علم کا بیان رکھا ہے۔ (صحیح بخاری مع شرح فتح الباری ج ۱/۱۵۹)

(۲) دوسرے مسئلہ کی طرف ”وَعِبَلُوا الصَّالِحَاتِ“ کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔

پس علم بغیر عمل کے بے جان جسم کی طرح ہے۔ کیوں کہ بے جان جسم کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے، اسی طرح علم بغیر عمل کے کوئی فائدہ نہیں دیتا بلکہ وہ تو صاحب علم پر حجت اور دلیل ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ كَبُرَ مَقْتًا

(الصف: ۲-۳)

عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿

ترجمہ: (اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں، تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے)

عمل اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور سنت کے موافق نہ کیا جائے۔

(۳) تیسرے مسئلہ کی طرف ”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ“ کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔

اور یہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے علم اور اس پر عمل کرنے کی طرف دعوت دینا ہے۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

(یوسف: ۱۰۸)

وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

ترجمہ: (تو کہہ دے کہ میری راہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف میں اور میرے فرمانبردار بلا رہے ہیں، پوری یقین اور اعتماد کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں)

(۴) چوتھے مسئلہ کی طرف ”وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ کے ذریعے اشارہ کیا ہے۔ اس لئے کہ جو آدمی اللہ کی طرف بلاتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو جو تکالیف اور مصائب آئیں ان پر صبر کرے اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کرے۔ کیوں کہ انہوں نے صبر کیا اور دعوت و تبلیغ میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو بھی دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں تکالیف اور ایذائیں پہنچیں۔

اس وقت یہ سورت بہت بڑی سورت ہے۔ کیوں کہ اس نے وہ چیز بیان کر دی جس پر مسلمانوں کا ہونا مناسب اور ضروری ہے، کہ اسلام کے لئے عملی تطبیق اس سورت پر کرے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کر دے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر یہی ایک ہی سورت نازل کرتا تو ان کی نجات کے لئے یہ ایک سورت ہی کافی ہوتی۔

(۱۲) اسلام، ایمان اور احسان

(۱) اسلام:

اسلام کا لغوی معنی ہے کہ آدمی توحید کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے، اور اطاعت کے ذریعے اس کا تابعدار ہو جائے، اور شرک سے پاک اور صاف ہو جائے اور مشرکین سے اپنی برأت کا اظہار کرے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۖ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۖ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الزخرف: ۲۶-۲۷-۲۸)

ترجمہ: (اور جب ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس اللہ کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور وہ ہدایت بھی کرے گا۔ ابراہیم اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تاکہ لوگ باز آجائیں)

اسلام کے پانچ رکن ہیں۔ (۱) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) رمضان شریف کے مہینے کے روزے رکھنا۔ (۵) بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔ جس کو اس کی طرف جانے کی طاقت حاصل ہو۔ (۱) ”لا الہ الا اللہ“ کی گواہی کا معنی یہ ہے کہ ماسوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حقیقی معبود کوئی نہیں ہے، اور ”محمد رسول اللہ“ کی گواہی کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اطاعت کرنا۔ اور جس کے متعلق انہوں نے خبر دی ہے تصدیق کرنا۔ اور جس سے انہوں نے منع کیا ہے اس سے رک جانا، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت مشروع طریقہ سے کرنا۔

(۲) ایمان:

ایمان لغت میں تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اور شرعاً زبان سے اقرار کرنے دل سے تصدیق کرنے اور جوارح سے عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ ایمان کی یہی صحیح ترین اور رائج تعریف ہے۔ اس کی تصدیق قرآن و سنت کی نصوص بھی کرتی ہیں۔ اور یہی تعریف سلف صالحین سے منقول ہے۔

قرآن و سنت کی نصوص ایمان کی کمی زیادتی پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ ایمان اطاعت کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور نافرمانی و معصیت کرنے سے کم ہوتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ (مائدہ: ۱۷)

ترجمہ: (اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت میں اور بڑھا دیا ہے اور انہیں ان کی پرہیزگاری عطا فرمائی)

﴿إِنَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ

عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الأنفال: ۲)

ترجمہ: (بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر ان کو سنائی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں)

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لَيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ
إِيمَانِهِمْ﴾ (الفتح: ۴)

ترجمہ: (وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون و اطمینان ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿الايان بضع وسبعون شعبة اعلاها لا اله الا الله وادناها
اماطة الاذى عن الطريق والحياء شعبة من الايان﴾
(ابوداؤد فی السنۃ ج ۵/۵۶ والنسائی فی الايان ج ۶/۹۷)

ترجمہ: (ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں، سب سے اعلیٰ شعبہ لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے کم راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿يُخْرِجُ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيْمَانٍ﴾
(بخاری ج ۱۳/۳۹۳ و مسلم ج ۱/۱۷۲)

ترجمہ: (جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا تو اسے جہنم سے نکالا جائے گا)

ایمان کی کمی اور زیادتی پر صریح اور واضح دلیلیں ہیں۔ جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ جو لوگ ایمان کی کمی اور زیادتی کے قائل نہیں ہیں ان کے قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کا قول قرآن و حدیث کی مذکورہ بالا دلائل کے خلاف ہے۔

جن لوگوں نے ایمان کی عدم کمی اور زیادتی پر جن دلیلوں سے سہارا لیا ہے تو ان میں سے کوئی بھی دلیل صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ ہم بطور مثال کے پیش کرتے ہیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں قبیلہ ثقیف کا ایک وفد آیا تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! کیا ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

﴿لا۔ ایمان مکمل فی القلب و زیادتہ کفر و نقصانہ شرک﴾
ترجمہ: (نہیں! ایمان دل کے اندر مکمل ہے اور اس کی زیادتی کفر اور اس کے نقصان شرک ہے)

یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر متنبہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ابولیت سے لے کر ابو مطیع تک مجہول راویوں کی ہے۔ اور تاریخ کی کتابوں میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔

ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بن مسلمہ بلخی ہے۔ امام احمد اور یحییٰ بن معین رحمہما اللہ وغیرہا نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

اور ابوالمہزم۔ وہ یزید بن سفیان ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ یہ متروک ہے اور امام شعبہ نے اس پر حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے۔ چنانچہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ اس کو دو پیسے دے دیں تو ان کو ستر حدیثیں بیان کر دے گا۔

ایمان کے چھ رکن ہیں۔ (۱) اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان لانا۔ (۲) اس کے فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۳) اس کی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۴) اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (۵) قیامت کے دن پر ایمان لانا۔ (۶) اللہ تعالیٰ کی ہر اچھی و بری تقدیر پر ایمان لانا۔

(۳) احسان:

احسان یہ ہے کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں گویا کہ آپ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ چھپ کر اور علانیہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا مراقبہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا، اور اس سے ڈرنے والا، اور اس سے ثواب کی امید کرنے والا اور اس کے عذاب سے ڈرنے والا شخص مراقبہ کرتا ہے۔ اسلام، ایمان اور احسان کے بیان کے متعلق مسلم شریف میں حدیث آئی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿بینما نحن عند رسول الله ﷺ ذات يوم اذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب - شديد سواد الشعر لا يرى عليه أثر السفر ولا يعرفه منا احد حتى جلس إلى النبي ﷺ فأسند ركبتيه إلى ركبتيه ووضع كفيه على فخذيه وقال يا محمد أخبرني عن الاسلام قال أن تشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله وتقيم الصلوة وتؤتي الزكاة وتصوم رمضان وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلا - قال صدقت ، قال فعجبنا له يسأله ويصدق له قال فأخبرني عن الايمان قال ان تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره ، قال صدقت قال ، فأخبرني عن الاحسان - قال ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك ، قال فأخبرني عن الساعة قال ما السؤل عنها باعلم من السائل قال فأخبرني عن اماراتها قال أن تلد الامة ربتها وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء -

یتطاولون فی البیان قال، ثم انطلق: فلبثت ملیاً ثم قال لی یا عمر
أتدري من السائل قلت الله ورسوله أعلم قال: فانه جبریل
أتاکم لیعکمکم دینکم ﴿﴾ (مسلم ج ۱/۳۶)

ترجمہ: (ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ
اچانک ہمارے سامنے سفید کپڑوں والا اور سخت سیاہ بالوں والا آدمی آیا
اس پر سفر کا کوئی اثر دیکھائی نہیں دے رہا تھا اور ہم میں سے اس کو کوئی
پہچانتا بھی نہیں تھا، حتیٰ کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے
اپنے گھٹنے نبی کریم ﷺ کے گھٹنوں مبارک سے لگا دیئے اور اس نے
اپنے ہاتھ اپنے رانوں پر رکھے اور عرض کی اے محمد ﷺ! مجھے اسلام
کے بارے میں خبر دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ
آپ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور محمد
اللہ کے رسول ہیں اور آپ نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور رمضان
کے روزے رکھیں اور اگر آپ کے پاس بیت اللہ کی طرف سفر کرنے کی
طاقت ہے توجج کریں۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ سیدنا عمر رضی
اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اس سے تعجب کیا کہ یہ آپ ﷺ سے
سوال بھی کر رہا ہے اور آپ کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ پھر اس نے
عرض کی کہ مجھے ایمان کے بارے میں خبر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا
کہ تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے
رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاؤ اور اس کی ہر اچھی و بری تقدیر

پر ایمان لاؤ۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ تو اس نے عرض کی مجھے احسان کے بارے میں خبر دیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر آپ اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔ تو پھر اس نے عرض کی کہ مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسئول مسائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ تو پھر اس نے عرض کی کہ مجھے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں خبر دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ باندھی (لونڈی) اپنی مالکہ کو جنے گی اور آپ دیکھیں گے ننگے پاؤں والے اور ننگے بدن والے تنگدستوں کو اور بکریوں کے چرواہوں کو اپنی عمارتوں کو اونچا بناتے ہوئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ آدمی چلا گیا تو نبی کریم ﷺ تھوڑی دیر ٹھہرے پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ مسائل کون تھا؟ تو میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تم کو تمہارا دین سکھانے کے لئے تمہارے پاس آئے تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق سے ترجمہ مکمل ہوا۔

عبدالحق بن محمد عزیر
حویلی لکھا ضلع اوکاڑہ پاکستان